سلسلۂ اشاعت ۵

حیاتِ جمیلہ

یعنی

اسلامی نظامِ زندگی

مؤلفہ

قاضی اطہر مبارکپوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اِدارہ فیضانِ معرفت بلساڑ، گجرات

سلسلۂ اشاعت نمبر {۵}

حیات جمیلہ

یعنی

اسلامی نظام زندگی

مؤلفہ

قاضی اطہر مبارکپوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

ادارہ فیضان معرفت بلساڑ، گجرات

کتاب سے متعلق ضروری معلومات

نام کتاب : حیات جمیلہ یعنی اسلامی نظام زندگی

تالیف : حضرت مولانا قاضی اطہر صاحب مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ

صفحات : ۱۶۰

ناشر : ادارہ فیضان معرفت بلساڑ، گجرات

کمپوزنگ : مولانا فضل محمود فلاحی

سن اشاعت : محرم الحرام ۱۴۲۵ھ مارچ ۲۰۰۴ء

تعداد اشاعت : ایک ہزار

طباعت : ایم ایس پرنٹرس ۱۸۵۳ لال دروازہ، لال کنواں، دہلی، فون: ۲۳۲۸۴۲۱۴

ملنے کے پتے:

☆.....ادارہ فیضان معرفت، ۱۱/ امن اپارٹمنٹ، مشتاق نگر، بلساڑ، گجرات

☆.....فے بینا کلاتھ اسٹور، اسٹیشن روڈ، انکلیشور، ضلع بھروچ، گجرات

فہرست مضامین

عرض ناشر

الحمد رب العالمین والعاقبة للمتقین والصلوة والسلام علی سید المرسلین وعلیٰ آله وصحبه وازواجه وذریاته اجمعین،

زیرنظر کتاب ''حیات جمیلہ یعنی اسلامی نظام زندگی'' احقر کو ایک بوسیدہ حالت میں دستیاب ہوئی، جب اسے زیروکس کروا کر پڑھا تو پڑھتا ہی چلا گیا، مجھے اس کے مضامین نے بالکل جھنجھوڑ کر رکھ دیا، اور آج سے ۵۵ رسال قبل مسلمانوں کی جس حالت زار پر مؤلف بے چین وبے قرار تھے آج نصف صدی سے زائد کا عرصہ گذرنے کے بعد بھی وہی بلکہ اس سے بدتر حالت ہورہی ہے، مذہب ودین سے بیزار اور عقائد واعمال، اخلاق وکردار سے بالکل بے بہرہ ہورہے ہیں، دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ اس نسخہ کو علاج کے سلسلہ میں پیش کردوں، لہٰذا یہ کتاب افادۂ عام کی غرض سے ازسرنو تیار کر کے شائع کی جارہی، کیونکہ یہ کتاب اولاً ۵۵ رسال قبل بمبئی سے چھوٹی تختی پر کسی صاحب خیر کی جانب سے شائع ہوئی تھی، اب گویا کہ نایاب ہوچکی تھی، چنانچہ مولانا فضل محمود صاحب فلاحی کے سپرد کیا تو انہوں نے حتی المقدور سعی کر کے اس کتاب کو خوب سے خوب تر کرنے کی سعی کی، نیز مصنف کے مختصر حالات بھی ''اقوال سلف'' سے کچھ ترمیم کیساتھ رقم کردیئے، اور اب یہ آپ کی خدمت میں حاضر ہے۔

دعا ہے کہ حق تبارک وتعالیٰ اسے مؤلف کے حق میں صدقۂ جاریہ بناوے اور ہماری اس ناچیز خدمت کو شرف قبولیت سے نوازے اور تمام مسلمانوں کے لئے ذریعۂ ہدایت ونجات بناوے، اور جملہ معاونین کو اپنے شایان شان اجر جزیل عطا فرماوے۔ (آمین)

ادریس احمد پٹیل فلاحی　　انکلیشور،　　۱۵رمحرم الحرام ۱۴۲۵ھ

مختصر حالات زندگی

ذیل میں صاحب کتاب کے مختصر حالات زندگی پیش خدمت ہیں، یہ مضمون ''اقوال سلف'' حصہ ششم (مرتبہ شیخ طریقت حضرت مولانا شاہ محمد قمر الزمان صاحب الہ آبادی دامت برکاتہم) سے کچھ حذف واضافہ کے ساتھ لیا گیا ہے۔ فضل محمود فلاحی

مؤرخ اسلام حضرت مولانا قاضی اطہر مبارک پوری صاحب رحمة الله علیه کی ولادت ۴ر رجب المرجب ۱۳۳۴ھ بمطابق ۷رمئی ۱۹۱۶ء کو مبارک پور ضلع اعظم گڈھ میں ہوئی، آپ اپنے نام سے زیادہ تخلص ''اطہر'' سے، اور خاندان میں چلے آرہے عہدۂ قضا کی وجہ سے ''قاضی'' سے، اور اپنی جائے ولادت کی طرف منسوب ہوکر ''مبارکپوری'' سے مشہور ومعروف ہیں، حالانکہ آپ کا نام نامی اسم گرامی ''عبدالحفیظ ہے، آج اگر کوئی آپ کا نام ''حضرت مولانا عبدالحفیظ صاحب اعظمی'' تحریر کردے تو یہ ہر ایک کے لئے اجنبی ہوگا۔

آپ کے والد ماجد کا نام الحاج شیخ محمد حسن ہے، آپ کی والدہ محترمہ کا تعلق ایک علمی گھرانے سے تھا، اور آپ کا ننھیال ''ہمہ خانہ آفتاب ست'' کا صحیح مصداق تھا اسی لئے ''قاضی صاحب'' کی تعلیم وتربیت میں ننھیال کا بڑا دخل رہا، ابتدائی تعلیم گھر پر پائی، پھر مقامی مدرسہ ''احیاء العلوم'' میں تمام تر تعلیم حاصل کی، عسرت کا عالم تھا، اس لئے گھر پر کسب معاش کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔

طلب علم کا زمانہ ۱۳۵۰ھ سے ۱۳۵۹ھ تک ہے، مولانا شکر اللہ صاحب سے مرقات، ہدیہ سعیدیہ، ملاحسن، حمد اللہ، قاضی مبارک، کافیہ، شرح جامی وغیرہ پڑھیں، بعض کتب منطق مولانا بشیر احمد مبارکپوری سے، مولانا محمد عمر صاحب مبارکپوری سے تفسیر جلالین، مولانا محمد یحیٰ صاحب رسول پوری سے ہیئت اور عروض وقوافی، اور مفتی محمد یٰسین صاحب مبارکپوری سے اکثر وبیشتر کتابیں پڑھیں، ۱۳۵۹ھ میں جامعہ قاسمیہ مرادآباد سے فارغ التحصیل ہوئے، یہاں مولانا فخر الدین

صاحب سے بخاری، ابوداود، ابن ماجہ، مولانا اسماعیل صاحب سنبھلی سے مسلم شریف اور مولانا محمد میاں صاحب سے ترمذی، دیوان حماسہ ومقامات اور زمخشری کا کچھ حصہ پڑھا۔

طالب علمی کے دور ۱۳۵۳ھ ہی سے آپ کے اشعار اور مضامین ماہنامہ ''الفرقان'' رسالہ ''قائد'' مرادآباد، سہ روزہ ''زمزم'' لاہور، ہفتہ وار ''مسلمان'' لاہور، ہفتہ وار ''العدل'' گوجرانوالا، ''الجمعیۃ'' دہلی وغیرہ میں شائع ہونے لگے، پھر معیاری رسائل ''معارف'' ''برہان'' اور ''دار العلوم'' میں طبع ہونے لگے، فراغت کے بعد ۱۳۵۹ھ تا ۱۳۶۴ھ پانچ برس احیاء العلوم مبارکپور میں مدرسی کی، پھر ڈیڑھ ماہ مرکز تنظیم اہلسنت امرتسر سے وابستہ ہوکر ردشیعیت وقادیانیت پر مضامین لکھے پھر ۱۳رجنوری ۱۹۴۵ء سے جون ۱۹۴۷ء تک زمزم کمپنی لاہور سے منسلک رہے، وہاں نوسوصفحات میں منتخب التفاسیر مرتب کی اور دوسری کتابیں بھی لکھی، مگر افسوس کہ وہ سب تقسیم ملک کی نذر ہوگئیں، تقسیم ہند کے بعد ہفتہ وار اخبار ''انصار'' بہرائچ کے مدیر رہے، یہ اخبار حکومت کی نظر عتاب سے آٹھ ماہ میں بند ہوگیا، شوال ۱۳۶۶ھ سے صفر ۱۳۶۷ھ تک پھر احیاء العلوم میں عارضی مدرس رہے، شوال ۱۳۶۷ھ تا شعبان ۱۳۶۸ھ ایک برس جامعہ اسلامیہ ڈابھیل (گجرات) میں تدریسی خدمت انجام دی، نومبر ۱۹۴۹ء میں بمبئی گئے اور دفتر جمعیۃ علماء بمبئی میں افتاء وغیرہ کا کام کیا، جون ۱۹۵۰ء میں وہاں روزنامہ ''جمہوریت'' جاری ہوا تو اس کے نائب مدیر رہے، فروری ۱۹۵۱ء سے مارچ ۱۹۹۱ء تک چالیس برس سے زائد مدت تک روزنامہ انقلاب بمبئی میں علمی، تاریخی، دینی وسیاسی مضامین لکھتے رہے، اور یہ روزنامہ ''انقلاب'' کے ذمہ داروں کی قدردانی کی بات ہے کہ آج تک اس کالم کو موصوف کی یاد میں ''بیادگار قاضی اطہر مبارکپوری'' جاری رکھا ہوا ہے، ۱۹۵۲ء سے ماہنامہ ''البلاغ'' بمبئی سے جاری ہوا، وہ آپ کی ادارت اور ذمہ داری میں ۲۵ربرس سے زائد تک نکلتا رہا، انجمن اسلامی ہائی اسکول بمبئی میں نومبر ۱۹۶۰ء سے دس برس تک دینی تعلیم دی، دار العلوم امدادیہ بمبئی میں دومرتبہ مدرسی کی، تیس برس سے زائد تک بمبئی میں رہ کر صحافت وتدریس وتالیف میں مصروف رہے، بھیونڈی (بمبئی سے قریب) میں ''مفتاح العلوم'' قائم کیا جو عظیم دینی ادارہ بن گیا ہے، ۱۹۷۶ء میں انصار گرلس ہائی اسکول مبارکپور جاری کرایا، ۱۴۰۱ھ میں الجامعۃ الحجازیہ مبارکپور حجازی جامع مسجد تعمیر کرائی، ۱۹۸۵ء میں علمی وتاریخی تصانیف پر حکومت ہند نے آپ کو اعزازی ایوارڈ عطا کیا، ۱۹۸۰ء پھر ۱۹۸۴ء اور ۱۹۸۶ء میں نیم سرکاری تنظیم فکرونظر سندھ کی دعوت پر سرکاری مہمان کی حیثیت سے

پاکستان گئے، تنظیم نے آپ کی کتابیں چھاپیں، ایک عظیم اجلاس میں ان کا اجراء کیا اور آپ کو ''محسن سندھ'' کا خطاب دیا، جنرل ضیاء الحق صدر پاکستان نے اپنے ہاتھوں سے اعزازی نشان اور تحائف وہدایا دیئے، آپ کی کتابوں کو اللہ نے وہ قبولیت بخشی کہ چند کتابوں کا عربی میں ترجمہ کر کے ڈاکٹر عبدالعزیز عزت عبدالجلیل نے ۱۹۷۹ء میں مصر سے شائع کیا، ریاض سے بھی آپ کی کتاب شائع ہوئی۔

آپ نہایت سادہ طبع مخلص، متواضع، تکلف وتصنع سے بری، عظمت وبڑائی سے دور، طبیعت میں غیرت وخودداری، کسی کے عہدہ ومنصب یا تمول وجاہ سے نہ کبھی مرعوب ہوئے نہ اس سے جھک کر ملے، اہل علم کے بڑے قدرشناس، ظاہرداری اور مصلحت پسندی کے مخالف، حرص وتملق سے نفور خاموش خدمت کے عادی، ریاء ونمائش سے خالی، اپنے خردوں کے ساتھ بے تکلف، معمولی کاموں پر ان کی حوصلہ افزائی، اپنے بزرگوں کا اعزاز واکرام، علماء کرام کو اپنے گھر دعوت دے کر بے پایاں مسرور، بوریہ نشینی پر قانع، دوسروں کے غم میں شرکت اور ان کی خدمت کے عادی۔

نماز باجماعت کے پابند، کسی بھی عذر سے مسجد میں جانا نہ چھوڑتے، شاہانہ دعوت ٹھکرادیتے اگر اس میں کوئی خلاف شرع کام ہوتا، حلال وطیب آمدنی حاصل کرتے، روزانہ علی الصباح قبرستان جاکر مردوں کو ایصال ثواب کرتے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے خوگر تھے، پانچ بار بیت اللہ کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے۔

زندگی کے اخیری ایام میں ایک طویل عرصہ تک نزلہ زکام میں مبتلا رہے جس کی وجہ سے ناک کے بائیں سوراخ سے خون آنے لگا، ۲۹راکتوبر ۱۹۹۵ء کو اعظم گڈھ میں ناک کا آپریشن کرایا جو بظاہر کامیاب تھا مگر اس کے بعد کمزوری بڑھتی گئی، ۶رجنوری ۱۹۹۶ء سے بار بار پیشاب کا عارضہ لاحق ہوگیا اور پھر گردوں نے بھی جواب دیدیا، وفات سے ایک ماہ قبل مسلسل بخار رہا، بالآخر ۲۸رصفر المظفر ۱۴۱۷ھ ۱۴رجولائی ۱۹۹۶ء یکشنبہ کا دن گذار کر دس بجے شب میں رفیق اعلیٰ سے جاملے، مبارک پور، اعظم گڈھ، بنارس، جونپور، غازی پور، مئو وغیرہ کے علماء وفضلاء کی عظیم تعداد کے ہاتھوں بروز دوشنبہ مبارکپور میں مدفون ہوئے۔

آپ نے اپنی باقیات الصالحات میں ۳۶رسے زائد مطبوع وغیر مطبوع کتابیں چھوڑیں۔

عنوان حدیث

از حضرت الاستاذ مولانا سید محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ ناظم جمعیۃ علماء ہند

محترم ومکرم مولانا قاضی اطہر صاحب مبارکپوری کا مجموعہ مضامین جو آپ کے ہاتھوں میں ہے میں نے اس کے اکثر مضامین کا مطالعہ کیا۔

یہ گلدستۂ مضامین موجودہ حالات میں ملت کی بہت بڑی ضرورت کو پورا کررہا ہے یعنی مسلمانوں کے سامنے آیات واحادیث مقدسہ کے حوالوں کے ساتھ بلند اخلاق کی وہ تعلیم پیش کررہا ہے جس کی دور حاضر میں سب سے زیادہ ضرورت ہے۔

کس قدر تعجب اور افسوس کا مقام ہے کہ وہ امت جس کا سررشتہ اس ذات مقدس سے وابستہ ہے جس کا خطاب ''رحمۃ للعالمین، رؤف رحیم'' ہے، جو اپنی بعثت کا مقصد اعلیٰ اخلاق کی تکمیل قرار دیتا ہے۔

بعثت لاتمم مکارم الاخلاق

آج وہ اخلاق سے اتنی دور ہو کہ دنیا اس کا مذاق اڑائے اور دوسروں کو متاثر کرنے کے بجائے اخلاق کی ہر ایک نمائشی چوکھٹ پر جبہ سائی کرتی پھرے اور پھر بھی وہ عزت سے محروم رہے۔

اسلام تبلیغی مذہب ہے، وہ تبلیغ تلوار سے نہیں کرتا بلکہ ہر ایک مسلمان سے اور مسلمانوں کی جماعت سے ایسے انفرادی اور اجتماعی اخلاق کا مطالبہ کرتا ہے جو دوسروں کو اپنی طرف کھینچیں اور ہر انصاف پسند کے دل کو اس اعتراف پر مجبور کردیں کہ:

''بلاشبہ تم بہترین امت ہو، تم نوع انسان کو نفع پہنچانے کے لئے خدا کی طرف سے پیدا کئے گئے ہو۔''

﴿کنتم خیر امة اخرجت للناس﴾

آج جو کچھ مشکلات ہمارے سامنے ہیں جو ہمارے حواس کو معطل کئے ہوئے ہیں ان کا واحد علاج صرف یہ ہے کہ مسلمان اپنے اخلاق درست کریں، لہٰذا آج سب سے زیادہ ایسے رسائل، پمفلٹوں اور ایسے کتابچوں کی ضرورت ہے جو مسلمانوں کو اعلیٰ اخلاق کی طرف مائل کریں۔

مجھے مسرت ہے کہ مولانا اطہر صاحب نے اس مجموعہ کی اشاعت سے اس اہم ضرورت کو پورا کیا ہے، ضرورت ہے کہ یہ رسالہ ہر وقت مسلمان کے پاس رہے اور وہ اس کا بار بار مطالعہ کرے۔

دعا ہے کہ خداوند عالم اس رسالہ سے عام مسلمانوں کو اور خود مصنف کو دین و دنیا کے منافع عطا فرمائے۔ (آمین)

محمد میاں

وارد حال بمبئی، دفتر جمعیۃ علماء ہند

۱۶ر دسمبر ۱۹۴۹ء

اسلامی نظام زندگی

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيدنا و مولانا محمد وآله واصحابه اجمعين .

آج کل مسلمانان ہند کا اخلاقی، دینی، تمدنی، اور معاشی نظام جس قدر بگڑا ہوا ہے اس کی نظیر ماضی میں اس قوم کے اندر نہیں ملتی۔

آزادی سے پہلے اور آزادی کے بعد مسلمانوں کی زندگی جن غیر اسلامی طریقوں پر رہی ہے اس کا نتیجہ تنزل اور تباہی ہوا، عقائد و اعمال، اخلاق و کردار کی ہر اعلیٰ تعلیم کو مسلمانوں نے چھوڑ کر بربادی مول لی۔

یہ مجموعہ مضامین انہیں حالات کے پیش نظر مرتب کیا گیا ہے اور عام مسلمانوں کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے کہ اپنے علاج کے سلسلہ میں اس نسخہ کو بھی استعمال کریں۔

مجھے اعتراف ہے کہ یہ مجموعۂ مضامین علمی نقطۂ نظر سے بہت بلند پایہ نہیں ہے کیونکہ اس کے مخاطب عوام مسلمان ہیں اسی لئے زیادہ زور عوامی زندگی پر دیا گیا ہے، اور طرز بیان میں خطیبانہ رنگ ہے۔ اللہ تعالیٰ میری اس سعی کو مشکور فرمائے۔

قاضی اطہر مبارکپوری

۱۵ر محرم ۱۳۶۹ھ بمبئی

حیات جمیلہ.....یعنی ⇦ ⇦ ..... ⇦ ⇦ اسلامی نظام زندگی

مقام مؤمن

ایمان کی شاہراہ

جس قوم کے ایمان ویقین کی بنیاد اس بات پر ہے کہ دن کا سورج، رات کا چاند قدرت نے انسانی فائدے کے لئے بنایا ہے اور ہم صرف خدا کی عبادت ورضا جوئی اور قوانین فطرت پر چلنے کے لئے بنائے گئے ہیں اور اس قوم کا اس عقیدہ پر عمل بھی ہو تو بتاؤ کیا یہ شمس وقمر اس کے جلو میں نہ چلیں گے؟ اور دنیا میں انوار و برکات کی بارش اس قوم پر نہ ہوگی؟

مسلمانوں کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

اِنِّیْ تَرَکْتُکُمْ عَلیٰ مِلَّةٍ بَیْضَاء لَیْلُهَا وَ نَهَارُهَا سَوَاءٌ، — میں تم کو ملت بیضاء یعنی اسلام کی ایسی شاہراہ پر چھوڑ جاتا ہوں جس کے رات اور دن دونوں یکساں روشن ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ یُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَی النُّوْرِ ﴾ — مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ ظلمتوں سے نکال کر نور کی روشنی میں لاتا ہے۔

پس مسلمان من حیث المذہب دنیا میں سرچشمۂ انوار ہے، شمع انجمن ہے، جلوہ گاہ برکات خداوندی ہے، اور اس کے نورانی ہونے کی دلیل اس کی پیشانی کی وہ تابانی ہے جو خدا کے دربار میں ایثار وخلوص کے مظاہر سے پیدا ہوتی ہے جو اس کی بندگی کا نشان ہے اور جو اس کے پہچان کی سب سے بڑی علامت ہے، یعنی؛

﴿ سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ﴾ — ان کی روشنی وتابانی انکے چہروں پر سجود کی وجہ سے جگمگاتی ہے۔

یعنی انوار کا منبع ومخرج یہی جذبۂ اطاعت، یہی خلوص وایثار اور خدا کی جناب میں یہی بے پناہ اظہار بندگی ہے جو بشکل نماز وقوع پذیر ہوتا ہے۔

اسلام ایک ملت بیضاء ہے، ایک راہ مستقیم ہے اور ایک نورانی پروگرام ہے جو حیات انسانی کے ہر گوشے کو منور کرتا ہے۔

کائنات ارضی کے ظلمت کدہ کو بقعۂ انوار بناتا ہے، زندگی کی شاہراہوں میں برتری و کامرانی کا چراغ جلاتا ہے، دل کے گوشوں میں طمانیت وسکون کی شمع روشن کرتا ہے اور تمام عالم انسانی کو سرتاسر انوار وبرکات کی بارشوں سے یکساں فیضیاب کرتا ہے، مگر قدرت نے ان انوار وبرکات کو آسمان سے نہیں برسایا، زمین سے نہیں اُگایا اور پہاڑوں سے نہیں اتارا بلکہ انسان کے دل کو اس کا مرکز بنادیا، وہیں ایمان ویقین کا خزانہ قائم کر کے ہر طرف تنویر پھیلائی جس کی نشاندہی مسلمان کی پیشانی کا وہ داغ غلامی کر رہا ہے جو خدا کے در بے نیاز پر نیاز مندانہ سجدوں سے پیدا ہوا ہے۔

پس ملتِ بیضاء کی تابناک شاہراہ آنکھوں کی روشنی کے بجائے پیشانی کے داغوں سے تلاش کرنی چاہئے، بے نتیجہ شور وشر اور بے معنی ہنگاموں کے بجائے دل کے پرسکون گوشوں میں تلاش کرنی چاہئے، اور آج کی سواد اعظم کی سیہ کاریوں کے بجائے قرآن وحدیث اور صحیح اسلامی تعلیم کی روشنی میں تلاش کرنی چاہئے، کیونکہ ایمانی زندگی کا نور، کفر وفسق کی زندگی میں نہ ملا ہے اور نہ ملے گا۔

ایمان کا معیار

اسلام کا قانون برتری تم نے پڑھ لیا کہ بلندی کا راز ایمان میں ہے، کیونکہ ایمان معیار برتری ہے، اب دیکھو کہ معیار ایمان کیا ہے؟ کس قسم کا ایمان دنیاوی ودینی ترقیات کا ضامن ہے،؟ اور کون مومن ہے، جو خدا کی زمین پر عزت واقتدار، شرافت وعظمت اور کرامت کا نمونہ ہے۔

اگر تم یہ سوچتے ہو کہ ہم خاندانی مسلمان ہیں اس لئے ہمیں سربلندی ملنی ضروری ہے تو تم اپنے خیال میں مگن رہو۔

اگر تم چند خود ساختہ رسوم ورواج کو اسلامیت کا مدار سمجھ کر کامیابی کے زینے پر چڑھنا چاہتے ہو تو یقین کرلو کہ اوپر جانے کی کوشش کرنا نیچے گرنے کے لئے کافی ہے، اگر تم نے چند بے روح حرکتوں کو برکات خداوندی کے خزانے کی کنجی گمان کیا ہے تو یہ تمہارے گمراہ ذہن کی بے بسی کا نتیجہ ہے "ایمان کیا ہے؟ جو کائنات ارضی وسماوی کی خواجگی سے انسان کو سرفراز کردیتا ہے اور جو اپنے امین کو کائنات خشک وتر کے خزانوں کا امانت دار بناتا ہے، اس حقیقت کو قرآن حکیم یوں بیان کرتا ہے:

﴿ یاایھا الذین امنوا ادخلوا فی السلم کافۃ ولاتتبعوا خطوات الشیطن ﴾	اے اہل ایمان! اسلام کے پورے تقاضوں کو پورا کرو اور شیطانی وسوسوں میں پڑکر ان میں کوتاہی نہ کرو۔

یعنی قدرت کے چشم وابرو کے جملہ تقاضوں کا پورا کرنا ہی حقیقی ایمان ہے، جو انسانی زندگی کے گوشے گوشے کو برتری سے معمور کردیتا ہے۔

اقلیت واکثریت میں الجھا ہوا ایمان، رسم ورواج کی جکڑ بندیوں میں مجبور ایمان، عظمت اغیار کے سامنے سرافگن ایمان اور خدائے واحد کی نگاہ سے گرا ہوا ایمان، ایمان نہیں، شیطان کا جال ہے، جس میں ابن آدم اُلجھا ہوا ہے اور خداوند کی موعود برتری سے اس کو کوئی واسطہ نہیں، جو ایمان سربلندی کا مدار ہے اس کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں کہ "ایک خدا کے قوانین پر دل جمعی کے ساتھ باطل خیالات سے یکسو ہوکر پورے طور پر عمل کرنا اور بس"۔

نفسانی رجحانات پر عمل کرنا قوت واقتدار کے چشم وابرو پر ناچنا، ہوسناک لیڈروں کے پیچھے چل پڑنا، اور دل ودماغ کی کاوشوں کو معطل کرکے اندھا دھند تقلید کرنا، ایسے شیطانی وسوسے ہیں جن میں پھنس کر انسان ایمان کی حدود سے خارج ہوجاتا ہے اور اس کا نام خداوندی انعام واکرام کی فہرست سے یکسر ختم کردیا جاتا ہے، پس اگر تم خواہشات نفسانی میں الجھے ہوئے ہو تو عزت وشرافت کی تمنا مت کرو، توحید کے دعویدار بن کر اگر اس پر عمل نہیں کرتے ہو تو خلافت ارضی کی خواہش تم کو زیب نہیں دیتی، غلط قسم کے لوگوں کی باتوں میں پڑکر جاننے کے باوجود گمراہ ہورہے ہو تو یہ نہ کہو کہ ہم دنیا میں یہ اور وہ لے کر رہیں گے، کیونکہ تمہارا ایمان وہ ایمان نہیں جو اس کا ذمہ دار ہے۔

دل کی اندھیری گہرائیوں میں تجسس کی آنکھ سے دیکھو کتنا ایمان کا اجالا ہے اور کتنا شیطان کا اندھیرا ہے۔

اگر ایمان کا اجالا ہی اجالا ہے تو کامیابی ہی کامیابی ہے اور اگر شیطانی ظلمت کا کہیں شائبہ ہے تو کامیابی کی کوئی راہ نہیں، پہلے اس ظلمت کو ختم کرو، یعنی پہلے مومن کامل بن جاؤ پھر کائنات کی ہر چیز کے تم مالک ہو۔

☆☆☆☆☆

نیکی اور بدی کا معیار

انسان اچھا یا برا جو کام بھی کرتا ہے اس کے لئے کوئی نہ کوئی وجہ جواز اور تاویل ضرور تلاش کر لیتا ہے، کیونکہ اس کی طبیعت میں عیب پوشی کا جذبہ موجود ہے، جو بعض اوقات ضمیر کی ملامت کے ساتھ ساتھ اس حرکت پر مجبور کر دیتا ہے، اور اعتراف جرم کے باوجود خوبصورتی سے اسکے اقرار کرنے کے بجائے انکار کر دیتا ہے، پس ایسی صورت میں سوال ہوتا ہے کہ اچھائی اور برائی کا معیار کیا ہے؟ جس کی روشنی میں نیکی اور بدی کی تمیز کی جائے قرآن حکیم کا ارشاد ہے:

﴿ لا تستوی الحسنة ولا السیئة ﴾ قدرت کے قانون مجازات میں کبھی یہ اندھیر نہیں ہو سکتا کہ نیکی اور بدی دونوں ہم پلہ ہوں، بلکہ دونوں جدا حقیقتیں ہیں جن کے ثمرات ونتائج الگ الگ ہیں۔

درحقیقت اشیاء واعمال پر اچھے اور برے ہونیکا حکم عام طور سے ابتداءً دلی تاثرات اور انتہاءً نتائج وثمرات کے لحاظ سے ہوا کرتا ہے اور انسان اپنے جذبۂ عیب پوشی کے ماتحت ان دونوں میں بسا اوقات فرق نہیں کر سکتا۔

مثلاً تم کو سینما بازی کی لت پڑ گئی ہے تو تم اس کے لئے ہزاروں حیلے بہانے تراشو گے اس کو اچھا ثابت کرنے کے لئے تمہارا ذہن خوب چلے گا اور کبھی یہ سوچنا گوارا نہ کرو گے کہ یہ کوئی طبعی تقاضہ نہیں اس سے اعمال وکردار میں کوئی خوبصورتی پیدا نہیں ہوتی، خدا کی بخشی ہوئی نعمتوں کا ایک معتد بہ حصہ روزانہ اس گناہ بے لذت کی نذر ہو جاتا ہے۔

تو کیا تمہاری اس کج فہمی نا عاقبت اندیشی کی وجہ سے سینما کی برائی نیکی سے بدل جاتی ہے؟ کیا اس سے تمہاری چال ڈھال میں خوش خلقی کی لچک پیدا ہو جاتی ہے یا خدا کے یہاں سے سرخروئی کا پروانہ مل جاتا ہے اور اگر عقل وہوش کے دروازے تم پر بند نہیں ہو گئے ہیں تو کیا روزانہ سینما گھر سے نکلنے کے بعد تمہارا دل تم کو اس حرکت پر ملامت نہیں کرتا، اگر ملامت کرتا ہے تو راستہ میں جاتے ہوئے مولوی سے پوچھنے سے پہلے اپنے دل سے پوچھ لو کہ سینما دیکھنا کیسا ہے؟ تمہارا دل خود ہی فتویٰ دے گا۔

یا مثلاً ایک شخص شرح صدر کے ساتھ لوگوں سے اخلاق ومحبت سے پیش آتا ہے بلا تفریق من وتو خلق اللہ کی خدمت کرتا ہے ہر انسان کے ساتھ اپنا ذاتی فرض سمجھ کر دیانت، رواداری اور سچائی کا برتاؤ کرتا ہے جس سے مسلم وغیر مسلم سب یکساں اس کا احترام کرتے ہیں اس کے وجود کو اپنے لئے باعث امن وامان اور قابل فخر تصور کرتے ہیں، تو اس شخص کے اخلاق کے نیک ثمرات اپنی نیکی اور اچھائی کی گواہی دیں گے۔

پس اچھائی اور برائی دونوں جدا حقیقتیں ہیں جن کو تم اپنی کوتاہی، کج فہمی اور اندھی تقلید سے ایک کر دینا چاہو تو نہیں کر سکتے۔

اگر دنیا میں سکون اور اطمینان عزت وعظمت اور سرخروئی کی زندگی بسر کر رہے ہو تو سمجھ لو کہ تمہاری زندگیاں نیک ہیں اور اگر صبر آزما ہنگاموں میں بے اطمینانی کا سانس لے رہے ہو تو یقین کر لو کہ تم برائیوں کا شکار ہو، ایسا نہیں ہو سکتا ہے کہ برائی کے بدلے میں اچھے نتائج کا کوئی آسمانی طبق تمہارے لئے آ جائے کیونکہ نیکی اور بدی کا امتیاز ہی قانون مجازات کا مدار ہے یہ امتیاز ہرگز ختم نہیں ہو سکتا۔

غور کرو کتنی برائیاں ہیں جن کو آج تم اچھائیاں سمجھ کر اجتماعی طور سے ان کے مرتکب ہو رہے ہو اور کتنی نیکیاں ہیں جن کو تم نے پس پشت ڈال دیا ہے۔

ایک حقیقت

ہجرت کے بعد کا قریبی زمانہ مسلمانوں کے لئے بڑا صبر آزما اور ابتلاء کا زمانہ تھا، ایک طرف ناداری اور غریب الوطنی کے باعث سخت پریشانی، دوسری طرف رات دن عبادت گزاری اشاعت اسلام کی فکر اور تبلیغ کی جدوجہد کے لئے سکون کی طلب!

انہی دنوں ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے، صحابۂ کرام نیچی نگاہیں کئے بیٹھے تھے، اسی حال میں حضرت مصعب بن عمیر کسی طرف سے سامنے آگئے بھوک سے بدن نڈھال ہو رہا تھا، کپڑے میں چمڑے کے کئی پیوند لگے تھے، یہ حالت دیکھ کر نگاہ رحمت اشک محبت سے نم ہوگئی آپؐ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا ”کل یہی مصعب ناز ونعم میں پل رہے تھے اور آج ان کا یہ حال ہو رہا ہے۔

یہ وقت صحابہ کو تسلی دینے کا تھا، آپ فرما سکتے تھے کہ صحابہ! صبر کرو، ناداری وغربت پر عبادت گذاری کا اجر ملے گا، اللہ تعالیٰ عنقریب مالا مال کردیگا، دنیا کی دولتیں تمہارے بھی قدم چومیں گی، مگر آپ نے تسلی دینے کے بجائے صحابہ ہی سے ایک سوال فرمایا:

كيف بكم اذا غدا أحدكم فى حُلةٍ وراح فى حُلة ووُضعت بين يديه صحفةٌ ورُفعت أخرى وسترتم بيوتكم كما تُستر الكعبة. (ترمذی، كتاب صفة القيامة والرقائق والورع رقم الحديث ۲۴۰۰)

اس زمانے میں بتاؤ کہ تم کس حال پر ہوگے جب مالداری کی وجہ سے ایک مسلمان کا حال یہ ہوگا کہ اس کے صبح کے کپڑے اور ہوں گے اور شام کے اور کھانے میں رنگ رنگ کے طشت یکے بعد دیگرے سامنے لائیں جائیں گے اور تمہارے مکانوں پر پردے اس طرح آویزاں ہوں گے جس طرح غلاف کعبہ ہر وقت آویزاں رہتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوال اور خبر پر صحابہ کرام خوشی سے اچھل پڑنے کی بجائے کتنا کریمانہ جواب دیتے ہیں۔

يا رسول الله ! نحن يومئذٍ خيرنا اليوم نتفرغ للعبادة و نكفى المؤنة.

یارسول اللہ! اس وقت ہم آج سے بہتر رہیں گے، کیوں کہ معاشی افکار اور مفلسی کی پریشانیوں سے نجات مل جائیگی بڑے اطمینان سے خدا کی عبادت کریں گے۔

جہاں تک صحابہ کرامؓ کی اسلامی زندگی کا تعلق ہے اس کے علاوہ کیا جواب دیتے، ان کو مالداری اور سرمایہ سے صرف اس لئے سروکار تھا کہ اطمینان قلب حاصل ہو، اور اسلام پر چلنے کے لئے ہر قسم کی آسانی ہو، صحابہ کرام کے دل میں مال ودولت کی الفت یہیں تک تھی، مگر آپؐ نے صحابہ کی تسلی کے لئے آخر میں جو جملہ فرمایا ہے وہ آنے والے مالداروں اور دنیا پرستوں کے لئے آئینہ ہے، جس میں آج ان کے کردار کے خدوخال نمایاں ہیں، سنئے:

لأنتم اليوم خير منكم يومئذ

مگر جب یہ وقت آجائے گا، تو مسلمانوں کی حالت یہ نہ رہیگی بلکہ اس دور کی غربت میں تم اس دور کے مالداروں سے بہتر ہو۔

مصلح اعظم رحمت عالم نے دو لفظوں میں جس حقیقت کو ظاہر فرمایا ہے غور کرو آج کس طرح ظاہر ہے، جو جتنا ہی بڑا مالدار ہے اتنا ہی بڑا فرعون ہے، جس قدر ہاتھ میں پیسے آجاتے ہیں خدا سے بغاوت بڑھتی جاتی ہے، جس کو کچھ فراخی ہوئی وہ نماز سے بے نیاز ہوگیا، ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ جواب وہی ہوگا کہ مسلمان کی زندگی کا مقصد دنیا میں گم ہو جانا نہیں بلکہ سطح انسانی پر ابھر کر اجاگر ہونا ہے، اور آج مسلمان دنیا میں گم ہو کر روپوش ہو رہا ہے، اپنا مقام بھول گیا، یعنی اعتدال کی راہ سے ہٹ گیا۔

مومن کی تین خصلتیں

ہم آپ کے سامنے مومن کی تین خصلتیں پیش کر رہے ہیں جن کا تعلق اپنی ذات سے زیادہ غیروں سے ہے اگر آپ غور کریں گے تو اسلامی تعلیمات کا بیشتر حصہ جو اغیار سے متعلق ہے اتنا اہم نظر آجائیگا کہ مدار دین و ایمان معلوم ہوگا اور اس پر عمل کرنا اسلام کی تکمیل و تحسین ہوگا، مصلح انسانیت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

عن ابی ذر رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من کان یؤمن بالله والیوم الاخر فلا یؤذ جاره ومن کان یؤمن بالله والیوم الاخر فلیکرم ضیفه ومن کان یؤمن بالله والیوم الاخر فلیقل خیرا أو لیسکت. (رواه مسلم، کتاب الایمان، رقم الحدیث ۶۷)

جو شخص اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے تو وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ دے، جو شخص اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے، وہ اپنے مہمان کی تعظیم و تکریم کرے اور جو شخص اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ یا تو اچھی بات کہے یا خاموشی اختیار کرے۔

مسلمان سب سے پہلے اپنی سوسائٹی میں اپنے اخلاق ظاہر کرے اپنی اسلام دوستی کا ثبوت دے اور گردوپیش کے لوگوں کے دلوں پر اسلام کا سکہ جمائے، تاکہ تمام محلہ پکار اٹھے کہ

یہ ہے اللہ اور قیامت پر واقعی ایمان رکھنے والا اور یہ ہے اپنے عقیدے پر عمل کرنے والا۔

اس کے بعد آنے جانے والوں کو اپنے اخلاق سے متاثر کر کے اپنی خوش خلقی کا شیدا بنائے، آنیوالا مہمان مسلمان کے گھر سے واپس ہو تو اس کے اوصاف وخصائل کا تحفہ لے کر جائے اور دنیا کے سامنے اس کے گن گائے، دوسروں کو مسلمانوں کے قصے سنا سنا کر اسلام کا شیدائی بنائے، اسکے بعد تیسری بنیادی بات یہ ہے کہ مسلمان جس سوسائٹی میں ہو جن لوگوں میں ہو، اور جن حالات میں ہو صداقت و دانائی کو ہاتھ سے نہ جانے دے، جو بات منہ سے نکالے ایسی جچی تلی ہو کہ اغیار حرف نہ رکھ سکیں مسلمان کی بات سن کر اس کے متعلق کوئی بدگمانی کرنے کا موقعہ نہ ملے اور کوئی یہ نہ کہہ دے کہ مسلمانوں کی باتیں ایسی ہی ہوا کرتی ہیں۔

اگر بات کہنی ہو تو اچھی کہے ورنہ خاموشی اختیار کرے، اپنے پر دوسروں کو نکتہ چینی کرنیکا موقع نہ دے، کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ ایک مسلمان نے آج جھوٹ بول دیا، آپس میں غیبت کر کے جنگ کرادی، برے خیالات لوگوں میں پھیلا کر امن کی فضا مکدر کردی کیونکہ ایک مسلمان کی بات زید عمرو بکر کی بات نہیں ہوتی، بلکہ دنیا اسے ''مسلمان'' کی بات سمجھتی ہے اور اسی نظریہ سے اس کا جائزہ لیتی ہے۔

پس احتساب کرو کہ ہمسایہ کہ ساتھ تمہارا کیا رویہ ہے تم کتنے کو خوش رکھتے ہو اور کتنے کو رنجیدہ، مہمانوں کے ساتھ تمہارا کیا برتاؤ ہے ان کو دیکھ کر تمہارا چہرہ مسرت سے چمک جاتا ہے یا روح کانپ جاتی ہے، اور جو باتیں اپنے منہ سے نکالتے ہو کتنے وزن اور ناپ تول کے بعد نکالتے ہو اور لوگوں پر اسکا کیا اثر پڑتا ہے۔

☆☆☆☆☆

اخلاق اور عبادات

اسلام چند اعتقادات اور عملیات کا نام ہے جہاں تک بندے اور خدا کا تعلق ہے وہ اتنا اہم ہے کہ اعتقادات واعمال دونوں سے اس کا لگاؤ ہے اور جہاں تک ایک بندے کا دوسرے بندے سے تعلق ہے وہ صرف اعمال کی ایک قسم معاملات سے پورا ہو جاتا ہے پھر اخلاقیات کو اسلام نے اتنی اہمیت دی ہے کہ بغیر اس کے ایمان کی تکمیل نہیں ہوتی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "**افشاء السلام من الایمان**" (سلام کا عام کرنا ایمان میں داخل ہے) "**اطعام الطعام من الایمان**" (کھانا کھلانا ایمان میں داخل ہے) ان کے علاوہ بہت سے اخلاقی معاملات کو جزو ایمان قرار دیا گیا ہے بلکہ بعثت نبویہ کا مقصد ہی اخلاقی برتری کی تکمیل قرار دیا گیا ہے، "**انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق ومحاسن الاعمال**" (میں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ بہترین اخلاق اور برتر اعمال کی تکمیل کروں)

آخری سرچشمہ ہدایت قرآن حکیم جس طرح ایمان اور اعتقاد اور عبادات کی تعلیمات دیتا ہے بعینہٖ اسی طرح معاملات اور اخلاقیات کی بھی تلقین کرتا ہے، جتنا زور احادیث اور سیر میں عبادات پر دیا گیا ہے اتنا ہی زور حسنِ اخلاق، شرافتِ اعمال اور بلندی سیرت پر بھی دیا گیا ہے۔

مگر افسوس کہ آج مسلمانوں نے چند اعتقادات وعبادات کا نام اسلام سمجھ رکھا ہے اور اخلاقیات سے اس طرح دور ہو گئے گویا اسلام میں اس کا کوئی باب ہی نہیں، دین مبین کا یہ شعبہ اس قدر مظلوم ہے کہ جتنا بھی ماتم کیا جائے کم ہے، جو لوگ صرف نماز روزہ تک ہی

عبادت اور ریاضت کا دائرہ محدود سمجھ رہے ہیں ان سے سوال ہے کہ اس فرمان رسول کا کیا مطلب ہے اور حسن اخلاق اس فرمان کے مطابق کس شعبہ میں رکھا جائے؟

ان صاحب حسن الخلق لیبلغ به درجة صاحب الصوم والصلوٰة،

آدمی اپنے اچھے اخلاق سے روزہ دار اور نمازی کے مرتبہ کو پہنچ جاتا ہے۔(ترمذی)

بلکہ شریعت نے حسن خلق کو مومن کے نامۂ اعمال میں سب سے اہم قرار دیا ہے۔

ما من شئ اثقل فی میزان المومن یوم القیامة من حسن خلق (ترمذی وابوداؤد)

ایک مومن کے نامۂ اعمال میں قیامت کے دن میزان میں حسن اخلاق سے زیادہ وزنی کوئی چیز نہیں۔

پس خسارے میں ہیں وہ نمازی جو خدا کے سامنے تو سیدھے کھڑے ہوتے ہیں مگر خدا کے بندوں کے لئے ان کے اخلاق کج ہیں ناکام ہیں حسن آخرت کے وہ تمنائی جن کی بداخلاقی سے دنیا نالاں ہے اور بے ثمر ان ہے خشک اخلاق مومنین کا شجر اُمید جو ایمان کے اس شعبے کی مظلومی کا باعث بنے ہوئے ہیں، بتائیں باطل قیادت کا اتباع کرنیوالے بدخلق وبے لگام کہ آج تمہاری یہ بدزبانی کج خلقی اور دریدہ دہنی اسی اسلام کی تعلیم ہے جس کے داعی کا فرمان ہے: "**بعثت لا تمم مکارم الاخلاق**" یا تمہارے اس اسلام کا سیاسی تقاضا ہے جس کے داعی تمہارے لیڈر ہیں اور جس کے لئے تم نعرہ بلند کرتے ہو:

"اسلام زندہ باد۔"

☆☆☆☆☆

تکبر کیا ہے؟

مسلمان دنیا میں حق کا پیغام بر ہے اور انسانوں کے لئے ہادی، اسکا فرض ہے کہ اپنی زندگی کو سراسر صداقت کی آواز بنا دے تا کہ کائنات کے بسنے والوں کے لئے خدا کی راہ مستقیم کے جرس کارواں کا کام دے۔

اس کی زندگی کا مقصد ان دو باتوں کے سوا کچھ نہیں اول یہ کہ وہ حق کا مبلغ ہے سچائی کا داعی ہے اور فطری قوانین کا جاری کرنے والا ہے اس کے لئے وہ حق کے سامنے سرنگوں اور جوابدہ ہے دوسرے یہ کہ اسے کائنات میں رہ کر انسانوں کو اپنا بنانا ہے ان سے محبت کر کے خدائی پیغام ان کو پہنچانا ہے اور خود کو انکا خادم سمجھ کر خدا کے لئے کام کرنا ہے اس لئے مسلمان انسانوں کی سوسائٹی میں خود ایک خادم کی حیثیت سے رہے ان کو اپنا مخدوم سمجھے کیونکہ خدا نے اس کے ذمہ تبلیغ کی بہت بڑی خدمت کی ہے۔

پس مسلمان اگر دین حق سے منحرف ہوا، صداقت سے اس نے منہ پھیرا اور سچائی سے برطرف ہو گیا تو یہ اس کا تکبر ہے، نیز انسانوں کو حقیر سمجھ کر ان کی خدمت سے برگشتہ ہوا یا تبلیغ حق میں کوتاہی کی تو یہ بھی تکبر ہے۔

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لا یدخل الجنة من کان فی قلبه مثقال ذرة من کبر ، — جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔

یہ سن کر ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ!:

ان الرجل یحب ان یکون ثوبه حسنا ونعله حسنة ، — آدمی چاہتا ہے کہ اس کا لباس اور جوتا وغیرہ اچھا ہو تو کیا یہ تکبر ہے؟

اس سوال پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو جواب دیا:

ان الله جمیل و یحب الجمال (مسلم) — اللہ تعالیٰ جمیل ہے، وہ جمال کو پسند کرتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ بقدر وسعت اچھا کھانا، اچھا پہننا اور خدا کی نعمتوں کو ظاہر کرنا تکبر نہیں ہے جو ایک ذرہ برابر بھی دل میں ہو تو جنت سے محرومی کا باعث ہوتا ہے، بلکہ ایسا تکبر یہ ہے کہ مسلمان حق بات کو جان بوجھ کر لاپرواہی سے ٹال دے، انسانوں میں اس کی تبلیغ کو اپنا فرض نہ سمجھے اور لوگوں کو اپنے مقابلہ میں ذلیل سمجھے، ان میں آنا چھوڑ دے اور انسانی خدمت کا جذبہ اس کے جذبۂ خودی کی نذر ہو جائے۔

☆☆☆☆☆

ہجوم اور حق

حصول غلبہ حق کی دلیل نہیں ہے، کبھی اللہ تعالیٰ بدکاروں کو نیکوں پر غلبہ دے دیتا ہے اور بدکاروں کا غلبہ نیکوں کی قلت اور کثرت پر موقوف نہیں ہے، بلکہ یہ قدرت کی کرشمہ سازی ہے، اور اہل حق کو تنبیہ ہے کہ اہل باطل غالب آجاتے ہیں، مگر "باطل" حق پر غالب نہیں آسکتا (الحق یعلو ولا یُعلیٰ علیه) بلکہ خود پرستوں میں کچھ ایسے امور پیدا ہوجاتے ہیں جن کی بناپر باطل کوشوں کو موقعہ مل جاتا ہے۔

یوم التقیٰ الجمعان انما استزلهم الشیطان ببعض ما کسبوا

دو گروہوں کے بھڑ جانے کے دن تم لوگوں میں سے جو لوگ پیچھے ہوگئے ان کو ان کے بعض کاموں کی وجہ سے شیطان نے پھسلا دیا۔

دیکھو! اس آیت میں فرمایا گیا کہ مسلمانوں کی شکست اور کفار کا غلبہ ان کے برحق ہونے کی بناپر نہ تھا بلکہ خود اہل حق یعنی مومنین ہی میں بعض کمزوریاں اس کا سبب تھیں، پس اہل باطل کا غلبہ اس لئے نہیں ہوتا کہ "باطل" حق بن جاتا ہے یا اہل حق کی مغلوبیت اس وجہ سے نہیں ظاہر ہوتی کہ خود "حق" "باطل" ہوجاتا ہے بلکہ دونوں حقیقتیں اپنی اپنی جگہ ثابت ہیں، البتہ ان حقائق کے حاملین میں غالبیت اور مغلوبیت حالات اور زمانے کے لحاظ سے ہوا کرتی ہے۔

آج کل کے زمانہ اور موسم کے موافق صدر اول کی مثال تمہارے سے ہے، دیکھو خلافت راشدہ کے بعد ہی ہوا پرستوں، جاہ طلبوں اور دنیاداروں کا سیاست اسلامیہ پر غلبہ

ہے، سبائیوں کے فتنے، مروانیوں کی سازشیں، یزیدیوں کی فریب کاریاں کس قدر شباب پر ہیں، اور سارے عالم اسلام میں ان کی قیادت کام کررہی ہے، اور دوسری طرف حضرت عبداللہ بن عباس وغیرہ کے مقدس وجود اپنی تمام حق پرستیوں اور اسلام نوازیوں کے باوجود مغلوب ہیں، پس کیا تم اس بات کے منہ سے نکالنے کی جرأت کرتے ہو کہ صحابہ کرام کا مقدس کاروان گمراہی کی طرف جارہا تھا اور باطل پرستوں کی بھیڑ بین راہ راست پر چل رہی تھی۔

اگر تم اس بات کے کہنے کے لئے تیار نہیں ہو تو آج تمہیں کیا حق پہنچتا ہے کہ اہل حق کی مغلوبیت اور ارباب باطل کے غلبہ پر یہ حکم لگاؤ، اور اپنے مجنونانہ اعمال اور بہیمانہ حرکات سے اس کو ثابت کرو۔

آج تم جس بھیڑ کو حق پر سمجھ کر اس کے پیچھے چل پڑے ہو وہ اپنے مقام و منزل سے برگشتہ ہے، اس کو صرف یہ معلوم ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ منزل ادھر ہی ہے اور وہ خود منزل کی رسم وراہ سے کوسوں دور ہے آج کی صورت حدیث رسول کے اس آئینہ میں بالکل صحیح اور صاف نظر آرہی ہے:

یاتی علی الناس زمان لا یعرفون فیه صلوٰة ولا صوماً ولا حجاً ولا عمرة الا الشیخ الکبیر والعجوز الکبیرة یقولون ادرکنا اٰبائنا وهم یقولون لا اله الا الله (الحدیث)

لوگوں پر ایک ایسا وقت بھی گذرے گا جب کہ لوگ نماز روزہ حج اور عمرہ کو جانتے نہ ہوں گے، سوائے سن رسیدہ بڈھوں اور بڑھیوں کے تمام لوگ یہی کہیں گے کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو لا الہ الا اللہ پڑھتے ہوئے سنا ہے۔

☆☆☆☆☆

مخلوق اور حق

مسلمان دنیا میں حق وصداقت کا پیغام بر ہے اور اسکی زندگی کا حقیقی مقصد صرف یہ ہے:

﴿ کُنتم خير أمة اخرجت للناس تامرون بالمعروف و تنهون عن المنكر ﴾ — تم بہترین امت ہو کیونکہ تمہارا کام لوگوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔

ایک طرف مسلمان حق کا حامل اور اس کا مبلغ ہے تو دوسری طرف خلق کے ساتھ بھی اس کا رشتہ تبلیغ ہے، اس کے ذمہ دو اہم کام ہیں، ایک حق وصداقت کی حفاظت دوسرے خدا کی مخلوق کے ساتھ قیام تعلق کیونکہ اس کی زندگی کا مقصد بغیر ان دونوں کی رعایت کے حاصل نہیں ہوسکتا پس حق اور خلق کے ساتھ مسلمان کا برتاؤ کس طرح ہونا چاہئے؟

پہلے بتایا جاچکا ہے کہ ہجوم دلیل حق نہیں ہے، یعنی مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے کہ جہاں بھیڑ دیکھے معیار حق سمجھ کر اس کے پیچھے چل پڑے۔

اس موقع پر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مقولہ سننے کے قابل ہے:

کن مع الحق بلا خلق و کن مع الخلق بلا نفس ، — حق کا ساتھ بلا خلق کے دو اور خلق کے ساتھ بے نفسی سے پیش آؤ۔

یعنی مسلمان کی زندگی کا معیار ”حق“ ہے، صداقت اور سچائی اس کی زندگی کے ہر لمحے

میں پیوست ہے، اس کا جینا حق کی سربلندی کے لئے ہے، اور مرنا حق کی حفاظت کے لئے، عام انسانی فطرت سے اسلامی فطرت جداگانہ ہے، مسلمان جماعت سے جدا تو ہوسکتا ہے مگر حق سے منہ موڑ کر جماعت کا ساتھ نہیں دے سکتا، بلکہ وہ تمام مخلوق سے بے نیاز ہوکر حق کی ناز برداری کرے گا۔

شہنشاہوں کے دربار، تلواروں کی زد، دریاؤں کی پنہائی اور انسانی بھیڑ مسلمان کو حق پہنچانے اور حق کہنے سے باز نہیں رکھ سکتی، نہ اس کی بے کسی، محتاجی اور قلت اس بات پر مجبور کرسکتی ہے، کیونکہ ”خیر امت“ کا تمغہ اسی ابتلاء وآزمائش پر پورا اترنے کے بعد ملتا ہے، حق کے لئے مسلمان کسی جماعت یا فرد کی پروا نہیں کرتا، یہی اس کی امتیازی شان ہے جو اسے تمام انسانی گروہ میں شرف وکرامت کا حق دار بنادیتی ہے۔

البتہ انسانی گروہ میں مسلمان کی زندگی بے نفس مخلص اور سراسر بے ریاء ہونی چاہئے، کیونکہ اسے اپنے اخلاق سے ان کو پیغامِ حق کی دعوت دینی ہے، خلوص کی تلوار سے دل کی مملکت فتح کرنی ہے، انسان کافر ہو یا مسلمان، مسلمان کا سلوک سب سے رحمت اور محبت و اخلاص کا ہوگا، اظہار نفرت اور فتنہ پردازی کرکے انسان کو حق سے متنفر کردینا اسلامی زندگی کے مقصد کے لئے زہر قاتل ہے۔

☆☆☆☆☆

فتنۂ عظیم

قومی خصوصیات کا فقدان اور ملی نظام کا اختلال تباہ کاریوں کا ایک سیلاب عظیم ہے جو خس وخاشاک کے ساتھ پہاڑوں کو بھی اپنی جگہ سے ہٹنے پر مجبور کردیتا ہے۔

کسی قوم میں جب یہ فتنہ پیدا ہوتا ہے تو اس قوم کے معمولی افراد کی طرح اعیان و اشراف بھی اس میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

جنس محبت کی نایابی اور دیانت وہوش کے فقدان کے اس زمانہ میں جو بلا ہر کس وناکس پر مسلط ہے اسی حقیقت کی آئینہ دار ہے، ایک دوسرے میں سخت کلامی، اختلاف آراء اور باہم دست وگریبانی کا فتنہ ہندوستانی مسلمان کے ہر طبقے میں یکساں پرورش پارہا ہے، یہ فتنہ عام قومی اور ملی تباہی کی آخری منزل ہے کہ اس کے بعد تباہی وبربادی کے لئے پھر کوئی راہ مسدود نہیں رہ جاتی۔

آج مسلمان فتنہ وفساد کے جس آخری مرحلے پر پہنچ گئے ہیں، قرآن حکیم نے اب سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے اس سے آگاہ فرمادیا تھا اور صاف لفظوں میں کہہ دیا تھا:

﴿ و اتقوا فتنة لا تصيبن الذين ظلموا منكم خاصة ﴾

خبردار! اس عمومی فتنہ سے بچو، جو نہ صرف تمہارے ظالم افراد ہی کو بلکہ مظلوموں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیگا۔

دیکھو! ظالم ومظلوم دونوں اس فتنہ میں کس طرح مبتلا ہیں، آج ہوسناک لیڈری کے

زمانہ میں کون مقدس منہ ہے جس نے دوسرے کے خلاف زہر افشانی نہیں کی ہے، جہلاء کی گندی سیاست میں کون مولوی ہے جو اپنے مقام سے نہیں ہٹ گیا، وہ کون سی مقدس فضا ہے جس میں گناہ کے بھوت پرواز نہ کئے ہوں، غرض کہ ہر جلسہ، ہر گھر، ہر جماعت اور ہر فرد میں فتنہ وفساد کی آگ بھڑک رہی ہے اور ظالم ومظلوم دونوں ہی اس کی لپیٹ میں آگئے ہیں۔

پھر جنگ وجدال ہی پر کیا موقوف ہے، اسلامی تعلیمات کا کون سا پہلو ہے جو تمہارے اطوار واعمال سے زخمی نہیں، دیانت داری، سچائی، امن پسندی، اخلاق ومحبت اور حفظ مراتب وغیرہ میں سے کس کے تم شیدائی ہو؟ ملی نظام سے برگشتگی کے فتنے میں سارے کے سارے گرفتار ہیں، سب کے سب خدا کے بتائے ہوئے تقویٰ سے گریزاں ہیں، پھر کیا خدا کے وعدہ ﴿ ان الارض يرثها عبادى الصالحون ﴾ (زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے) کو اپنے لئے سمجھنے میں حق بجانب ہیں۔

جب قوم کے عناصر میں باہمی تضاد ومنافرت ہو جائے تو پھر یہ امید کس برتے پر ہوسکتی ہے کہ ان کے اجتماع سے مضبوط قوم بنے گی۔

☆☆☆☆☆

حیاء

ظاہری اور باطنی خوبیاں مسلمان کے لئے زیور ہیں جس طرح ایک مسلمان کی شان ہے کہ وہ اخلاق واعمال اور ظاہری کردار میں اعلیٰ کیرکٹر کا مالک ہو اسی طرح اس کی اسلامی شوکت کا تقاضہ ہے کہ عقائد ور،جحانات اور باطنی خیالات میں بھی وہ بہترین سرمایہ کا مالک ہو۔

ان دو خوبیوں کے لئے اگر غور سے کام لو گے تو معلوم ہو جائے گا سب سے زیادہ ضروری چیز شرم وحیا ہے اور اسی بنیاد پر ظاہری اخلاق واعمال اور باطنی عقائد وخیالات کی خوبیاں مستحکم ہوتی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے ﴿الحیاء شعبةٌ من الایمان﴾ (بخاری مسلم) شرم وحیا ایمان کا ایک گوشہ ہے،یعنی بغیر حیا کے ایمان نامکمل رہتا ہے،اور یہ ایمان کا ایک جز ولاینفک ہے،نیز حدیث شریف میں ہے،﴿الحیاء لا یاتی الّا بخیر﴾ (بخاری ومسلم) حیا سے اچھی ہی چیز ملے گی۔

لیکن سوال یہ ہے کہ کونسی حیا ایمان کا شعبہ ہے،کونسی حیا اچھی ہی چیز کی ضامن ہے اور کونسی حیا سراسر خیر ہے،؟ علماء کا قول ہے'' حیا درحقیقت ایسی عادت ہے جو برائی سے روکے اور کسی حق دار کے حق میں کمی کرنے سے باز رکھے۔(ریاض الصالحین)

پس جو حیا کہ ایمان کا جز ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ برائی سے باز رکھے اور لوگوں کے

حقوق کا پورا پورا احترام کرے۔یعنی اس کا ایک پہلو خود آدمی کے نفع کیلئے ہے۔یعنی برائیوں سے بچنا اور دوسرا پہلو خلق خدا کے نفع کے لئے ہے،یعنی لوگوں کے حقوق میں کمی نہ کرنا۔

غور کرو اگر حیا کا یہ مفہوم آج مسلمانوں کے دل ودماغ میں ہو اور اس پر عمل درآمد کرلیں تو ان کی زندگی کس قدر بلند ہو سکتی ہے،خود بھی برائیوں سے بچیں اور نیک کام کریں اور دنیا والے بھی ان سے نفع اندوز ہوں اور اپنے پورے حق سے بہرہ ور ہوں۔

جس طرح حیا کا یہ افادی پہلو عام ہے اسی طرح بے حیائی کا تخریبی پہلو بھی نگاہوں کے سامنے ہے،آج مسلمانوں میں جس قدر بے حیائی کا دور دورہ ہے،اس کے نتیجے میں تم دیکھ رہے ہو کہ زندگی کا کونسا گوشہ تاریک نہیں ہے،کس شعبے میں مسلمان کامیاب ہے اور کس درجہ خود اپنی اور دنیا کی نگاہوں میں اس کا وقار باقی ہے؟ بالکل صحیح کہا گیا ہے:

'' اذا فاتک الحیاء فافعل ما شئت ''یعنی جب حیا ختم ہو جائے تو جو چاہو کرو۔

☆☆☆☆☆

اسلامی تعلیم وتربیت

انسان فطرۃً سراسر خیر ہوتا ہے، اس میں شیطانی اثرات کا شائبہ تک نہیں ہوتا وہ ایسی سادگی پر پیدا ہوتا ہے، کہ اس پر جو رنگ چڑھایا جائے بآسانی چڑھ سکتا ہے۔

دنیا میں آنے کے بعد انسان پر سب سے پہلے ماں کے دودھ کا اثر پڑتا ہے، اگر ماں نیک ہے، اس کے جسم میں حرام لقموں کا خون نہیں ہے، طبیعت میں انسانیت کا جوہر موجود ہے، اور وہ ہر طرح سے خیر کے زیور سے آراستہ ہے تو پھر بچے کی گھٹی میں نیکی، سلامتی اور بھلائی پڑتی ہے اور صلاحیت کی یہ بنیاد اس قدر استوار اور پائیدار ہوتی ہے کہ اسی پر تمام صلاحیتوں کی بنا پڑتی ہے، اگر ماں کے دودھ میں حرام کھانے کی آمیزش ہے، اسکے رگ وپے میں خباثت کا دوران ہے اور اس کے دل ودماغ پر بدی کا تسلط ہے، پھر بچہ ناممکن ہے کہ عزت وشرافت اور سلامتی وصلاحیت کی قابلیت پیدا کر سکے۔

یہی وجہ ہے کہ بچوں کی رضاعت کے سلسلے میں بڑی احتیاط سے کام لیا گیا ہے، بچے کی دوسال کی زندگی آئندہ زندگی کا معیار ہوتی ہے، پس جیسا معیار بنایا جائے گا اس کے مطابق انسان کی زندگی کا ڈھانچہ تیار ہوگا، اس منزل سے گذرنے کے بعد انسان پرورش کی منزل میں قدم رکھتا ہے، اور اب ماں باپ دونوں کی مشترک تربیت گاہ اسکی آئندہ زندگی کا گہوارہ ہوتی

ہے، یہ وقت انسانی زندگی کے لئے بہت نازک ہوتا ہے اور ماں باپ کی ذمہ داری اس سلسلہ میں بڑی اہم ہوتی ہے۔

اسی حقیقت کو مصلح اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان نے یوں ظاہر فرمایا:

كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فابواه يُنَصِّرَانِهِ اَوْيُهَوِّدَانِهِ او يُمَجِّسَانِهِ ،

ہر بچہ اپنی فطری صلاحیت پر پیدا ہوتا ہے اس کے والدین چاہے اسے نصرانی بنادیں یا یہودی اور مجوسی بنادیں۔

یعنی بچے کی زندگی ایک سادہ لوح ہوتی ہے، جو ہر رنگ کو بآسانی قبول کرسکتی ہے، پھر ماں باپ جس رنگ میں چاہیں رنگ سکتے ہیں، اس حدیث کے مفہوم میں اور وسعت پیدا کرو، اور غور کرو کہ کفر واسلام کے سوا اور جو بھی خصلت ہو اس زمانہ میں بچہ قبول کرسکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جن گھرانوں میں شرافت ہے جو لوگ تہذیب وشائستگی سے زندگی بسر کرتے ہیں اور جن میں اسلام کی تعلیمات کا رواج ہے آج بھی ان کے بچے شرافت وعزت اور صلاحیت کے نمونے ہوتے ہیں اور جن خاندانوں میں اوباشی کی زندگی ہے بے عزتی اور بے غیرتی کا مظاہرہ ہوتا ہے ان کے بچے نہایت کمینے، پست ذہن اور کم ہمت ہوتے ہیں۔

غور کرو! اور اپنی حالت پر نگاہ ڈالو! تم کس قسم کی زندگی بسر کرتے ہو، اور اپنے جگر پاروں کی آئندہ زندگی کو کس سانچے میں ڈھال رہے ہو، تعمیر کا یہ زمانہ کہیں تخریب سے دوچار تو نہیں ہے، اور بچوں کی اصلاح کے بجائے ان میں فساد کا مادہ تو جگہ نہیں پا رہا ہے؟

☆☆☆☆☆

نیک صحبت

جب صحبتوں کا اثر مسلم ہے، اور روزانہ کا مشاہدہ ہے کہ آدمی جیسے آدمی سے تعلق رکھتا ہے اس میں ویسے ہی رجحانات پیدا ہو جاتے ہیں، تو اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کو کس قسم کی دوستی کا انتخاب کرنا چاہئے، مومن کا مقام بلند ہے، اس کی فراست دوربین ہے، اور اس کی زندگی دوسروں کے لئے معیار ہے، تو خود اس کی دوستی کا کیا معیار ہونا چاہئے، تا کہ وہ اپنے بلند اخلاق اور شریف طبیعت کو برقرار رکھ سکے، اور اس کے نیک ارادوں پر برے اثرات دخل انداز نہ ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

لَا تُصَاحِبْ اِلَّا مُؤْمِنًا وَ لَا یَاْکُلْ طَعَامَکَ اِلَّا تَقِیٌّ (ابوداؤد و ترمذی)

مومن کے علاوہ کسی سے دوستی مت کرو، اور اپنا کھانا صرف پرہیزگار کو کھلاؤ۔

چونکہ مومن سراسر نیک ہے، اس کی فطرت میں صلاحیت ہے، اس کی زندگی میں خیر ہی خیر ہے، اس کا ہر سانس نیکیوں کے لئے ہے اور اس کا وجود ہی دُنیا میں پرتو صدق وصفا ہے، اس لئے اس کی دوستی، اس کا تعلق، اٹھنا، بیٹھنا، سب کچھ مومن ہی کے ساتھ ہونا چاہئے، نیک آئینے میں نیک ہی صورت کی نمود ہونی چاہئے، اور اسلام کے پیمانے میں اسلامی شراب ہی

بھرنی چاہئے۔

حدیث کے آخری جملے پر غور کرو، قاعدہ کی بات ہے کہ جب آدمی کی محبت کسی کے ساتھ ''ہم نوالہ و ہم پیالہ'' تک پہنچ جاتی ہے تو باہمی تاثر کی انتہا ہو جاتی ہے، اور ایسے وقت ایک کی طبیعت دوسرے کا رنگ لے لیتی ہے اس لئے فرمایا گیا ہے کہ اگر محبت اور تعلق اس حد تک پہنچ جائے تو یاد رکھو تمام مسلمانوں میں سے صرف ''مومن متقی'' کو یہ درجہ دو، اور اسے اپنا ہم پیالہ اور ہم نوالہ بناؤ، کیونکہ دنیاوی تعلقات کی انتہا اسی حد پر ہوتی ہے، اور انتہائی تعلق کا سزاوار صرف پرہیزگار، خداترس اور شریف مسلمان ہو سکتا ہے، اس آخری جملے کا یہ مطلب بھی ہے کہ تمہارے آنے جانے والوں میں اور شام صبح بے وقت کھاتے پیتے لوگوں میں تمہیں اس بات کا خیال کرنا چاہئے کہ یہ ہر وقت موجود رہنے والے پرہیزگار اور شریف لوگ ہوں، تمہاری کمائی نیکیوں کے کام آئے ایسا نہ ہو کہ بدکار تمہارے گھر میں پلیں اور محلہ میں شرارت کریں نہیں! بلکہ تمہارے گھر پر نیکوں کا سایہ رہے اور رحمت کے بادل برسیں''۔

☆☆☆☆☆

دوستی

اخلاق واعمال کے بننے بگڑنے میں تعلقات کو بڑا دخل ہوتا ہے، یہ ضروری نہیں کہ کسی محفل یا سوسائٹی ہی کا اثر پڑے بلکہ اس کے اثرات اجتماعی ہوتے ہیں اس لئے وہ جلدی اور مضبوطی سے اپنا کام کرتے ہیں، ایک آدمی کا تعلق بھی دوسرے کے اخلاق واعمال اور عقائد واخلاق پر اثر انداز ہوتا ہے جس سے دلی محبت اور قلبی لگاؤ ہوتا ہے، اس کے اخلاق وعادات سے متاثر ہونا ضروری ہے، پس دوستی کا معیار قائم کرنا اور اس کا انتخاب کرنا آدمی کے لئے مفید، یا نقصان دہ ہوسکتا ہے، اس سلسلہ میں بڑی احتیاط اور دیکھ بھال سے کام لینا چاہئے کہ دوستی اور تعلقات کسی بدعقیدہ، بدخلق اور بدباطن سے نہ ہو، ورنہ آدمی کی زندگی چند دنوں میں اسی کے رنگ میں رنگ جائے گی اور ہزار کوشش کے باوجود یہ ناممکن ہے کہ اس کا اثر نہ پڑے، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

اَلرَّجُلُ عَلٰی دِیْنِ خَلِیْلِهٖ فَلْیَنْظُرْ اَحَدُکُمْ مَنْ یُّخَالِلُ (ابوداؤد وترمذی)

آدمی اپنے دوست کے طور طریق پر ہوتا ہے اس لئے تمہیں چاہئے کہ دیکھ لو کیسے آدمی سے دوستی کرتے ہو۔

اپنے مقام کا چاہے کوئی کتنا ہی مضبوط کیوں نہ ہو مگر دوستی اسے اپنے مقام سے ہٹا سکتی ہے، ہم خود روزانہ دیکھتے ہیں کہ ایک شخص نہایت شریف، خلیق اور متواضع ہے، مگر چار دن

ایسے آدمی سے اس کی دلبستگی ہوگئی جو اس کے اعمال وکردار کے بالکل برعکس ہے تو اس کی دنیا بھی الٹ جاتی ہے، کیونکہ جو دوستی چاہتا ہے وہ اپنے دوست کی ہر حرکت کو اچھا سمجھتا ہے، اس کی برائیاں برائیاں نہیں ہوتیں، جذبۂ محبت اور تعلق ہر فعل بد کی تاویل کر لیتا ہے، اس لئے دوستی کرنے والے کے اعمال واخلاق خراب ہوں گے، جس سے دوستی کرے گا اس کے اخلاق پر کوئی اثر نہ پڑے گا، اسی لئے حدیث میں کہا گیا کہ جس سے تم چاہتے ہو کہ خُلّت اور دلی دوستی کا تعلق قائم کرو، تو پہلے دیکھ لو کہ تمہارا بننے والا دوست کس کیرکٹر کا مالک ہے، کیونکہ تم اپنے طبعی میلان کے تقاضے پر اس کی طرف مائل ہو رہے ہو اور طبعی میلان اپنے جذبات سے مغلوب ہوتا ہے، اس میں قوت تمیز نہیں ہوتی اس لئے ایسی حالت پیدا ہونے سے پہلے ہی سوچ لو کہ تمہاری محبت کا دامن کس کے ساتھ جڑ رہا ہے کیونکہ اس کی زندگی کا ہر عکس تمہارے آئینۂ محبت میں آنے والا ہے۔

☆☆☆☆☆

ہمسائیگی

مسلمان کا وجود دنیا کے لئے سراسر رحمت اور امن وسلامتی ہے، اس کی شان یہ ہے کہ اہل دنیا اس کے وجود کو دعائیں دیں، اس کے سایے کو اپنے لئے غنیمت تصور کریں اور اس کی زندگی کے ہر سانس کو پیام محبت سمجھیں، مسلمانوں کی جماعت..... انسانی جماعت کے لئے رحمت ہے مسلمانوں کا ایک فرد انسانوں کے ایک فرد کے لئے باعث امن وفخر ہے، بلکہ ایک مسلمان ساری انسانیت کے لئے موجب اطمینان وتسلی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کو اپنے پڑوسیوں کے ساتھ نیک برتاؤ کرنیکا حکم دیا گیا ہے اور شدت سے اس کی پابندی کرائی گئی ہے، مسلمانوں کا محلہ امن ورحمت کا گہوارہ ہے مسلمانوں کی بستی اطمینان وتسلی کی جنت ہے مسلمانوں کا شہر سکون ومسرت کا خوشگوار گلشن ہے۔

مسلمانوں کا پڑوسی کوئی بھی ہو، کیسا بھی ہو، بہر حال اس کا فرض ہے کہ اچھا سلوک کرے تواضع سے پیش آئے ہر ضرورت کا حتی المقدور کفیل بنے، پڑوسی کافر ہو یا مجوسی، یہودی ہو یا عیسائی، ہندو ہو یا سکھ، بہر حال ایک مسلمان کا اسلامی طریقہ یہی ہوگا کہ اپنے وجود سے اس کو ہر طرح فائدہ پہنچانے کی کوشش کرے گا کیونکہ اسلام میں انسانیت کی خدمت کو بڑا مقام حاصل ہے، حتی کہ حیوانات پر بھی رحم وکرم کرنا مسلمانوں کی سرشت میں داخل ہے کہ اسلام ان کیلئے بھی رحمت بن کر آیا ہے، داعی اسلام کے متعلق قرآن حکیم کا کھلا فیصلہ ہے:

﴿ وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴾ پیغمبر اسلام تمام کائنات کیلئے رحمت ہے۔

پھر پیغمبر اسلام کے متبعین بھی خدا کی ہر کائنات کے لئے رحمت ہیں، مگر بظاہر ہر شخص کے لئے جار اور پڑوسی کا حلقہ محدود کر دیا گیا ہے، تاکہ اسلام کا ہر شیدائی اور سچا تابعدار اپنی حد تک اپنے فرائض انجام دے کر اسلام کا رحمت ہونا ثابت کرے۔

اگر کسی نے اس فرض کی انجام دہی میں غفلت کی تو اسلام دوستی کے دعوے میں وہ جھوٹا ہے، اس کے مسلمان ہونے پر دنیا کے لئے کوئی ظاہری دلیل نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان النبی ﷺ قال واللہ لا یومن واللہ لا یومن واللہ لا یومن قیل من یارسول اللہ قال الذی لا یامن جارہ بوائقہ ، (بخاری مسلم)

آپ نے تین مرتبہ فرمایا: کہ خدا کی قسم وہ شخص مومن نہیں ہوسکتا، لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ کون شخص مومن نہیں ہوسکتا آپ نے فرمایا وہ شخص جس کے بد اطوار اور مصائب سے پڑوسی کو امن نہ مل سکے۔

دیکھو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انداز بیان کہ کس طرح پہلے بغیر نام سے تین مرتبہ سخت بات فرمائی، پھر لوگوں نے جب خوفزدہ ہوکر ایسے شخص کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ جس کے شر سے اس کے پڑوس محفوظ نہ رہ سکیں، گویا اس طرح صحابہؓ کے دل میں اس طرز خطاب سے یہ بات بٹھادی گئی، مگر افسوس ہے کہ اس زمانے کے مسلمانوں میں جہاں اور باتیں دل سے ایک ایک کر کے نکل گئیں وہاں یہ اہم بات بھی نہ رہ سکی۔

بہترین دوست اور ہمسایہ

ہمسایہ کے متعلق عرض کرتے ہوئے کہا گیا تھا کہ مسلمان اپنے ہمسایہ کے لئے سراسر اطمینان ورحمت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی خارجی زندگی کا زیادہ تعلق ہمسایوں اور دیگر متعلقین کے ساتھ ہوتا ہے، اس لئے اسلامی تعلیمات کا صحیح نمونہ ان کو اسی صورت سے معلوم ہوسکتا ہے کہ مسلمان اپنے افعال وکردار سے ان کے دلوں کی دنیا پر قابو حاصل کرلیں ان کو خدا کے دین کی سچائی اور خیر خواہی کا پورا یقین دلائیں اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوجائے گا کہ ہمسایہ کے سلوک میں اسلام کی تبلیغ کا راز پوشیدہ ہے۔

تاریخ اسلام کی گذشتہ عظمتیں گواہ ہیں کہ خدا کے نیک بندوں نے دیگر مخلوقات کے ساتھ حسن سلوک کرکے کس کس طرح اسلام کا بول بالا کیا ہے اور دین الٰہی کی خوبی دنیا کے کس کس گوشے میں اجاگر کی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جو مسلمان اپنے متعلقین اور پڑوسی کے لئے بہتر ہوگا خدا کے نزدیک بھی وہی بہتر ہوگا اور جو بندوں میں بدنام وبے وقعت ہوگا قیامت میں خدا کے دربار میں بھی اسکی کوئی قیمت نہ ہوگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

عن عبد الله بن عمر رضی الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم خير الاصحاب عند الله تعالىٰ خيرهم لصاحبه وخير الجيران عند الله تعالى خيرهم لجاره

خدائے تعالیٰ کے نزدیک بہترین دوست وہی ہے جو اپنے ساتھی کے لئے بہتر ہو اور اس کے نزدیک بہترین ہمسایہ وہی ہے جو اپنے ہمسایہ کے حق میں بہتر ثابت ہو۔

اسی لئے حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ کسی آدمی کے روزہ نماز کی طرف مت دیکھو بلکہ یہ دیکھو، کہ لوگوں کے ساتھ اس کا سلوک کیسا ہے؟

پس اس حقیقت کو اچھی طرح ذہن نشین کرلینا چاہئے کہ اسلام کی خارجی زندگی کا حسن وقبح تمہارے اعمال وکردار کی اچھائی یا برائی پر موقوف ہے یعنی اگر لوگوں کے ساتھ تمہارے تعلقات اچھے ہیں اور دنیا تم سے خوش ہے تو تمہارے اسلام کا ظاہری حصہ اچھا ہے اور اگر تمہارے سلوک سے لوگ نالاں ہیں، پناہ مانگتے ہیں اور رات دن ایک گونہ پریشان رہا کرتے ہیں تو سمجھ لو کہ یہ ظاہری خرابی ہے، رہا تمہارے دل کا خیال ورجحان اور عقیدہ ومسلک تو وہ بندے اور خدا کے درمیان کا معاملہ ہے اس سے یہاں بحث نہیں ہے لیکن خود غور کرلو کہ جو شخص اپنے متعلقین اور ہمسایوں سے نباہ نہیں کرسکتا اور اس کے تعلقات ان سے خوش گوار نہیں رہے، تو پھر خدا کیساتھ اس کا کیا کچھ لگاؤ ہوگا، اور اپنے مولیٰ کیساتھ تعلقات میں کتنا کامیاب ہوگا۔

☆☆☆☆☆

حقوق ہمسایہ اور عورت

مسلمانوں میں جہاں بہت سے غلط تصورات پیدا ہو گئے ہیں وہاں ایک یہ بھی بنیادی غلط تصور عام طور پر پیدا ہو گیا ہے کہ اسلامی تعلیم کے ذمہ دار سراسر مرد ہیں، عورتوں کے ذمہ اگر کوئی اہم فریضہ ہے اور وہ بھی پرانی قسم کی عورتوں میں تو روزہ ہے، عورتیں روزہ رکھنے میں بڑی حاتم ہوتی ہیں، بقیہ ذمہ داریاں وہ اس طرح بھولی ہوئی ہیں کہ گویا ان میں ان کی کوئی پکڑ ہی نہیں لیکن اگر غور کرو تو معلوم ہوگا کہ اس کمزوری کے ذمہ دار دراصل مرد ہی ہیں وہ خود اسلامی تعلیمات سے جب غافل ہوں تو اپنی عورتوں، بچوں کو ان پر عامل کیا بنا سکتے ہیں؟

حقوق ہمسائیگی کے سلسلے میں اگر غور کیا جائے تو عورت کے سلوک کو بڑا دخل ہے مرد باہر رہتا ہے، کام پر گیا ہے اسے محلّہ کی عورتوں بچوں کی اندرونی حالت کی خبر نہیں ہے مگر عورت عموماً پڑوسن کے اندرونی حالات سے واقف ہوتی ہے، وہ خوب جانتی ہے کہ آج محلّہ میں کس کے گھر بیوہ اپنے بچوں سمیت بھوکی سو رہی ہے کس کی بیٹی کی زندگی باپ کی تنگ دستی کی وجہ سے خطرناک گذر رہی ہے، اور کتنے ایسے گھر ہیں جو مارے شرم وحیا کے باوجود افلاس وغربت کے زبان پر شکوہ زمانہ کا ایک لفظ تک نہیں لاتے۔

اسی وجہ سے حقوق ہمسائیگی کے سلسلہ میں حدیث شریف میں عورتوں کو خاص طور سے

تنبیہ کی گئی ہے، انہیں خصوصی تعلیم دی گئی ہے اور جملہ مسلمان عورتوں سے خطاب کیا گیا ہے:

عن ابی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم يا نساء المسلمات لاتحقرنَّ جارة لجارتها ولو فِرسِنَ شاةٍ (بخاری ومسلم)

اے مسلمان عورتو! کوئی پڑوسن دوسری پڑوسن کے لئے کسی ہدیہ کو حقیر نہ سمجھے، اگرچہ بکری کی کھر ہی ہو۔

یعنی مسلمان عورتیں اپنی پڑوسن کا اس قدر لحاظ کریں کہ اگر کوئی پڑوسی کچھ مانگنے آئے اور گھر میں اتفاق سے کچھ نہ ہو تو اسے بالکل ہی محروم واپس نہ کر دیں بلکہ حتی الامکان دل جوئی کریں اگر کچھ نہیں تو معمولی چیز دے کر خوش کرنے کی کوشش کریں۔

کیونکہ ضرورت مند پڑوسی کا محروم واپس جانا اپنی بڑی محرومی ہے مسلمان عورتوں کو چاہئے کہ یہ خدمت محلّہ میں اس طرح بجا لائیں کہ محلّہ میں ان کی خوش خلقی خوش طبعی اور خوش بختی کا شہرہ ہو، اور خدا کے یہاں تقرب حاصل ہو، اللہ تعالیٰ توفیق عمل عطا فرمائے۔

☆☆☆☆☆

سوسائٹی

عرض کیا جا چکا ہے کہ انسانی زندگی کا ابتدائی دور جو ماں باپ کی آغوش میں گذرتا ہے، درحقیقت آدمی کے بننے، اور بگڑنے کا زمانہ وہی ہوتا ہے، اگر آنکھیں صلاحیت اور نیکی کے گہوارے میں کھلتی ہیں تو زندگی کا ہر لمحہ حسنات کا مظہر ہوتا ہے اور اگر انسان برے ماحول میں پروان چڑھتا ہے تو اس کی پوری زندگی سرتا سر بری ہوتی ہے، آئندہ سوسائٹی اور مجلس کے رجحانات یہیں سے پیدا ہوتے ہیں، اگر آئندہ سوسائٹی نیک رہی تو زندگی نیک ہے اور اگر بری ہے تو پھر زندگی بھی بری ہے ماحول کا اثر انسانی طبیعت پر فطری طور سے پڑتا ہے،" جیسی صحبت ویسا اثر" ایک حقیقت ہے، جو ابتدائے انسانیت سے آج تک تاریخ اور مشاہدہ کے ذریعے دنیا کے سامنے ہے۔

اگر تمہارا اٹھنا بیٹھنا شریفوں کے ساتھ ہے صبح شام نیکوں سے مل کر ان کے اطوار تم دیکھتے رہتے ہو اور تمہارے فرصت کے اوقات اچھی باتوں میں اچھے لوگوں میں گذرتے ہیں تو یقیناً تمہاری طبیعت میں نرمی سلامتی اور صلاحیت ہوگی، اور اگر خدانخواستہ تمہاری سوسائٹی کے افراد عیاش اور بدمعاش شراب خور ڈاکو اور پست اخلاق کے لوگ ہیں تو یہ نہیں ہوسکتا کہ تم ان کی مجلس میں بیٹھ کر متقی بن جاؤ تمہارے اخلاق واطوار سے شرافت کی نمائش ہو اور تم بھی شریفوں میں گنے جاسکو۔

اسی فلسفۂ خیر وشر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مختصر الفاظ میں واضح کردیا ہے:

المرء مع من احب (بخاری) انسان جیسے آدمی سے محبت کرتا ہے خود ویسا ہی ہوتا ہے۔

ایک آدمی برا ہے تمام عیوب اس میں موجود ہیں، بے نمازی ہے، لوگ اس سے تنگ رہتے ہیں کوئی برائی ایسی نہیں جسے اس نے نہ کیا ہو لیکن اگر وہ سچے قسم کے نیک دل لوگوں کی مجلس میں رہنے لگے، نیک کاروں کی باتیں سنے، شریفوں کے کریمانہ افعال واعمال دیکھے تو یقین کرلو کہ صداقت اور نیکی کی کشش اس کو اپنی طرف کھینچ لے گی اور وہ شخص چند ہی دنوں میں ان صالحین کی جماعت کا ایک فرد ہو جائیگا اسی طرح اگر کوئی آدمی نیک ہے، نمازی ہے، شریعت کا پابند ہے، اور خدا اور رسول کے احکام پر چلنے کی بھی کوشش کرتا ہے لیکن اگر اس کا میل جول لچوں سے ہوگیا ہے وہ ان کمینوں کی مجلس سے دلچسپی لینے لگا ہے تو ناممکن ہے کہ وہ اپنے تقویٰ کا جامہ تار تار نہ کرڈالے اور ایسی ایسی حرکات پر نہ اتر آئے جن کا اس کے تقویٰ کو وہم وگمان تک نہ تھا، یہ روزانہ کے واقعات ہیں، آنکھوں دیکھے مشاہدات ہیں، ان کے لئے نہ دلیل کی ضرورت ہے نہ تجربے کی حاجت، تم اپنے محلّہ کے کسی ایسے آدمی کو دیکھ لو جواب سے چند دنوں پہلے کسی اور مجلس سے دلچسپی رکھنے لگا ہے۔

اس تاثر کے لئے کسی عمر اور زمانہ کی قید نہیں بچہ ہو یا جوان، ادھیڑ ہو یا بوڑھا، ہر شخص سوسائٹی، اور مجلس کے کردار سے متاثر ہوتا ہے، پس اپنے، اور اپنے بچوں پر نظر ڈالو اور احتساب کرو کہ تمہاری سوسائٹی کیا ہے اور تم پر کس قسم کے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

امتیازی برتاؤ

اسلام نے عمومی زندگی میں مساوات کو اتنی اہمیت دی ہے کہ ہر کام، ہر معاملہ، ہر مجلس اور ہر طبقہ کے لئے اس کی رعایت فرض ہے، شادی ہو یا غمی، خانگی زندگی ہو یا اجتماعی، ناممکن ہے کہ مسلمان اس عمومی برکت کے اظہار میں کوتاہی کر کے اسلامی تعلیمات کی پابندی کا دعویٰ کر سکے۔

امیری اور غریبی اسلام کی نظر میں کوئی امتیازی چیز نہیں، کسی امیر کے لئے حرام ہے کہ وہ کسی غریب کو حقارت آمیز نظر سے دیکھ سکے، یا اس کے ساتھ ایسا برتاؤ کر سکے جس سے اس کے دل پر رنج وغم کا اثر پڑے۔

اگر مسلمانوں کا کوئی اجتماع، کوئی جشن، اس قسم کی طبقاتی تفریق کا روادار ہو تو پھر اسلام کی نظر میں ایسے مسلمان مجرم ہیں، ان کے اجتماع خصوصی میں جانا گناہ ہے، ان کی دعوت پر لبیک کہنا، اسلامی تعلیمات سے لاپروائی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

بئس الطعام طعامُ الولیمة یدعیٰ الیها الاغنیاءُ ویترک الفقراءُ۔ (بخاری مسلم)	سب سے بری دعوت وہ ولیمہ ہے جس میں امیروں کو مدعو کیا جائے، اور غریبوں کو چھوڑ دیا جائے۔

یعنی وہ شادی اسلامی نگاہ میں نامبارک ہے جہاں امیر وغریب کی تفریق ہو، جس میں

لوگوں کی مالداری اور عزت کو ناپ تول کر کھانا کھلایا جائے، اور جہاں صرف دنیاداری کے پیش نظر غریب دین داروں کو نظر انداز کر دیا جائے بہت سے مقامات پر کھانوں میں تفریق ہوتی ہے برتنوں اور دیگر آرائشوں میں امتیاز ہوتا ہے، یہ تمام نیچ اونچ مسلمانوں کے لئے ناروا ہے، اور لعنت ہے ایسی دعوت پر جس میں اس قسم کا مظاہرہ کر کے شریعت کی زبان سے بدترین طعام قرار دی جائے، لبیک نہ کہی جائے۔

اگر ایک نظر ڈالو تو تم کو واضح ہو جائے گا کہ کھانے پینے کے موقع پر سرمایہ داروں میں اس قسم کا امتیاز برتا جاتا ہے، اور آج کل کے تعلیم یافتہ طبقہ میں تو یہ چیز بطور فیشن کے داخل ہو گئی ہے، پس مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ خدا کے ان بندوں کو کبھی نظر انداز نہ کریں جو اپنی غریبی اور مفلوک الحالی کے باعث دنیا کی نگاہ میں بے وقت معلوم ہوتے ہیں مگر خدا کی جناب میں ان کا یہ رتبہ ہے:

هل ترزقون الاّ بضعفائکم	تمہیں اپنے کمزور افراد کی بدولت روزی نصیب ہوتی ہے۔

محروم ہیں برکات سے وہ دعوت کی مجلسیں جن میں غربا نظر انداز ہوں، بدنصیب ہیں وہ لوگ جن کی نگاہ میں خدا کی یہ مخلوق کم تر نظر آتی ہے اور خدا کے غضب کے مستحق ہیں وہ انسان جنہیں اپنوں سے محتاجی کی بنا پر اس قسم کا بیر ہے۔

☆☆☆☆☆

حقیقی تقویٰ

ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کچھ نوجوانوں کو دیکھا کہ بیماروں کی طرح جھک کر چل رہے ہیں انہیں اس طرح چلتے ہوئے دیکھ کر آپ نے دریافت فرمایا یہ کون لوگ ہیں جو اچھے خاصے نوجوان ہونے کے باوجود اس طرح بیماروں کی سی صورت بنائے چل رہے ہیں، لوگوں نے عرض کیا کہ یہ امت کے عابد و زاہد لوگ ہیں ان حضرات کی یہ حالت دیکھ کر اور یہ جواب سن کر آپ نے فرمایا:

كان عمر بن الخطاب اذا مشى اسرع واذا قال اسمع واذا ضرب اوجع واذا اطعم اشبع وكان هو الناسك حقًا (مدارج السالكين ج/۱ص/۲۹۵)

جب حضرت عمر چلتے تو تیز چلتے، جب کوئی بات کہتے تو زور سے کہتے تا کہ لوگ سن لیں، جب کسی کو تعزیر دیتے تو سخت سزا دیتے، جب کھانا کھلاتے تو بھر پیٹ کھلاتے اور در حقیقت وہ عابد و زاہد تھے۔

یعنی اسلام میں عبادت و ریاضت کا مفہوم یہ ہر گز نہیں کہ انسان دنیا سے بالکل بے تعلق ہو جائے، اپنے کو کمزور ست اور ناتواں ظاہر کرے اور دیکھنے والوں کی نظر میں مسلمان عابد انسانی آبادی کا نہایت کمزور بے کار فرد معلوم ہو، بلکہ اسلام میں عبادت کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کا دنیا میں رہ کر خدا سے غافل نہ ہونا عبادت ہے بیوی بچوں کی خبر گیری کر کے اپنا فریضہ پورا کرنا عبادت ہے، لوگوں سے مل کر اپنے اخلاق کا ثبوت دینا عبادت ہے، اور اپنے آپ کو

خدا کی راہ میں تندرست و توانا رکھنا عبادت ہے، اسی لئے حدیث شریف میں آیا ہے کہ

''اللہ تعالیٰ تن ومند مومن کو لاغر مومن سے زیادہ محبوب رکھتا ہے''۔

اسی لئے حضرت عائشہ نے جب ان لاغر نساک کو دیکھا تو حضرت عمرؓ جیسے طاقتور، باشوکت اور جری آدمی کے چند اوصاف گنا کر فرمایا کہ حقیقی متقی حضرت عمر تھے، جن کا حال یہ تھا کہ جب چلتے تو تیزی کے ساتھ، جب بات کرتے تو بلند آواز سے، اور جب شرعی معاملے میں کسی کو سزا دیتے تو کمزوری کا بالکل اظہار نہ فرماتے جب کسی کو کھانا کھلاتے تو سیر شکم کر دیتے یہ نہیں کہ تھوڑا کھلا کر اس کی بھوک باقی رکھیں پھر حضرت عمر سے بڑھ کر کون عابد و زاہد اور خشیت الٰہی کا مدعی ہو سکتا ہے، پس حقیقی تقویٰ اسلام کے حرام کئے ہوئے افعال اعمال سے پرہیز، اس کے فرض کئے ہوئے احکام کی تعمیل ہے اور وہ بھی اس دلیری اور جرأت کے ساتھ کہ کسی معاملہ میں کمزوری اور سستی کا ظہور نہ ہو۔

پس مقام اتقا اسلام اور ایمان سے بلند کوئی چیز نہیں ہے بلکہ اسلام کے تقاضوں کو کمال جرأت سے پورا کرنے ہی کا نام زہد و عبادت اور تقویٰ و ریاضت ہے۔

اگر تم میں یہ صفات موجود ہیں تو تم متقی ہو اور خدا کے ان ہی بندوں میں شامل ہو، جن سے خدا نے وعدے فرمائے ہیں اور جن پر اپنی نعمتیں تمام کی ہیں، اور اگر یہ صفات تم میں نہیں ہیں تو لاکھ حلیہ بدلو، کپڑے رنگین کرو، زمین پر گرتے ہوئے چلو اور تقویٰ بگھارو، متقی نہیں بن سکتے۔

جو اسلامی رسوم و اعمال کا شدت سے پابند ہے، وہی سب سے بڑا متقی ہے، اور وہی خداوندی برکات کا مستحق ہے۔

☆☆☆☆☆

بہترین ہدیہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ میں اس شخص کا ممنونِ احسان اور شکر گذار ہوں جس نے میری غلطیوں کا ہدیہ میرے پاس بھیجا، ہدیہ کیا ہے؟ ایک ذریعہ محبت، جذبۂ الفت کا اظہار اور آپس میں صلح و آشتی کی زنجیر، اسی لئے حدیث شریف میں آیا ہے "تھادوا تحابوا" آپس میں تحفے بھیجا کرو، اس سے محبت پیدا ہوتی ہے۔

پس نتیجہ یہ نکلا کہ یہ تحفے تحائف اخلاص و محبت کے تقاضے ہیں جنہیں انسان اپنے ذمہ کر لیتا ہے، اور اس سے مقصود صرف اپنے دوست کی رضا جوئی اس کی خوشی اور خیر خواہی ہوتی ہے۔

آج ہم بتانا چاہتے ہیں کہ انسان کی بھلائی کے لئے اس سے حقیقی محبت کے لئے اور اس کی اصلی خیر خواہی کے لئے کس قسم کا ہدیہ ضروری ہے جسے انسانیت کی اجتماعی زبان "افضل ہدایا" اور "احسن تحائف" کہہ کر اس کے استقبال کے لئے آگے بڑھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

ما اھدیٰ المرء لاخیہ ھدیۃً افضل من کلمۃ حکمۃٍ یزیدہ بھا اللہ ھدیٰ اویردّہ عن ردیً ،

انسان کا اپنے بھائی کیلئے بہترین ہدیہ دانائی کی بات ہے، جس سے اللہ تعالیٰ اسے اور ہدایت دے یا اسے ہلاکت سے بچالے۔

درحقیقت ایک انسان کی دوسرے انسان سے حقیقی محبت یہی ہے کہ اس کی بھلائی

چاہے، اس کے فائدے کا متمنی رہے، اس کے اقبال کی بلندی کا فکر کرے یا اگر وہ بھائی کسی مصیبت میں مبتلا ہے تو اس سے نجات دلائے اگر گمراہی میں پھنسا ہے تو چھڑائے اگر بغض و عداوت کی آگ میں جل رہا ہے تو اسے نکالے اور اگر فساد کی لعنت میں گرفتار ہے تو رہائی کی سبیل نکالے یہی ہے انسانیت سے محبت اور یہی ہے آدمیت سے ہمدردی! پس اس نظریۂ محبت و ہمدردی کے پیش نظر تم خود غور کرو کہ آپس میں کس قسم کے تحفوں کا مبادلہ ہونا چاہئے۔

تم کو کوئی اچھی بات معلوم ہو تو اسے اپنے بھائی تک پہنچا دو، اگر اپنے دوست میں کوئی عیب نظر آتا ہو تو اس پر خبردار کر دو، اگر اس کے بنتے ہوئے کام میں، اور خوبصورتی تمہاری سمجھ میں آجائے تو اسے مشورہ دے دو، اگر بگڑتا ہوا معاملہ کسی پہلو سے بن سکتا ہے تو وہ پہلو سمجھا دو یہی ہے حقیقی دوستی کا مفہوم اور حقیقی دوستی کے لئے یہی چیزیں بہترین ہدیے ہیں۔

"کلمۂ حکمت" میں دین اور دنیا کی تمام دانائیاں سمٹی ہیں، انہیں جہاں تک چاہو پھیلاؤ مصلح اعظم اور منجی اولاد آدم صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کا دامن اپنے مختصر سے پھیلاؤ میں دونوں کائنات کی وسعت رکھتا ہے، "اوتیت جوامع الکلم" کے یہ معنی ہیں اور اسلام کی یہ امتیازی خوبی ہے کہ جو کچھ کہتا ہے وسعت کا پہلو رکھ کر کہتا ہے

اگر لے سکتے ہو تو اپنے آپس کے ہدایا و تحائف کا جائزہ لو کہ تم ایک دوسرے کے پاس کس قسم کے ہدیے بھیجتے ہو، کیا کبھی عیب کا بھی ہدیہ بھیجا؟ نصیحت کے تحفے سے بھی کبھی اپنے دوست کی تواضع کی؟ کسی صحیح رہنمائی سے بھی کبھی اس کے ساتھ اظہار محبت کیا؟ اگر کبھی ایسا کیا ہے تو اور زیادہ کرو اور اگر خدانخواستہ تم ایسا کرنے سے اب تک محروم رہے ہو تو اب سے حرماں نصیبی کو خوش بختی سے بدل ڈالو، خدا ہمیں ان تحفوں کے بھیجنے اور قبول کرنے کی توفیق دے (آمین)

☆☆☆☆☆

کام کی بات

انسان کی تمام حرکات وسکنات پر غور کر جاؤ اور شروع سے لیکر آخر تک اس کی ایک ایک عادت اور طور وطریق پر نظر ڈالو تو تمہیں معلوم ہوگا کہ آدمی کی تمام تگ ودو نقصان سے بچنے یا فائدہ حاصل کرنے کے لئے ہے، کیونکہ انسانی افعال کا صدور یا دفع مضرت کے لئے ہوتا ہے یا جلب منفعت کے لئے ، بلکہ یہ جذبہ انسان ہی پر کیا منحصر ہے تمام حیوانات میں بھی پایا جاتا ہے۔

آدمی ہر ایسی بات کو غور سے سنتا ہے جو اس کے لئے مفید ہو، ہر ایسے شخص سے محبت کرتا ہے جو اس کے لئے نفع بخش ہو، اور ہر ایسی چیز کی خواہش کرتا ہے جو اسکے لئے فلاح وبہبود کا باعث بنے، ان چیزوں کی افادی حیثیت چاہے دفع مضرت کے ذریعے ہو چاہے جلب منفعت کے واسطے سے انسان کو اس سے بحث نہیں بلکہ وہ صرف اپنا فائدہ مدنظر رکھ کر ہر مفید کام، ہر مفید بات اور ہر مفید شخص کی طرف فطری طور سے مائل ہوتا ہے۔

اسی حقیقت کے پیش نظر اسلام نے جو کہ انسانیت کبریٰ کا جامع اور تمام بنی نوع انسان کا متحد کرنیوالا ہے، انسانی سوسائٹی کے لئے ایسے قوانین واصول بیان فرمائے ہیں جن کا افادی پہلو نمایاں ہو اور فطری جذبہ کے ماتحت ان کی طرف زیادہ سے زیادہ مائل ہو کر لوگ ایک عام انسانی اتحاد پیدا کریں، یہی وجہ ہے کہ اسلامی تعلیمات کا تمدنی اور معاشرتی گوشہ انسانی فوائد سے پر ہے، اس کی ہر تعلیم میں عمومی فائدے کا لحاظ ضرور رکھا گیا ہے، آج ہم انسانی فوائد

میں سب سے زیادہ فائدے والی بات حدیث رسول کی رو سے بتانا چاہتے ہیں کہ انسان کے لئے کیا چیز سب سے زیادہ نفع بخش ہے، حدیث شریف میں ہے:

من افضل الفوائد حدیث حسنٌ یسمعه الرجل فیحدث به اخاه۔ (جامع بیان العلم)

افضل فوائد ایک اچھی بات ہے جسے آدمی کہیں سے سن کر اپنے بھائی تک پہنچادے۔

نیک بات دین کی ہو یا دنیا کی، تجارت کی ہو یا عبادت کی، کوئی خوش کن خبر ہو یا کوئی سکون بخش بات، سب کچھ "حدیث حسن" اچھی بات میں آگیا ہے۔

پس انسانی فائدے اور بھلائی کے لئے جو کہ اسلام کی تعلیم کا مقصد اولین ہے، لوگوں سے اچھی باتیں کہا کرو، الفت ومحبت کی بات کرو، اتحاد واتفاق کے موضوع پر بات کرو، مذہبی سیاسی اور ملکی ترقی کے مسئلہ پر روشنی ڈالو، خدا اور رسول کی خوشنودی کی بات کیا کرو، غرض کہ نیک باتیں جو بھی اور جہاں بھی تمہیں معلوم ہوں اپنے دوسرے بھائیوں تک پہنچادیا کرو، کیونکہ یہ چیز انسانی فائدے کے لئے سہل الحصول اور مجرب نسخہ ہے۔

☆☆☆☆☆
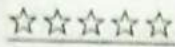
اچھی بات

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کے بدن میں ایک ایسا عضو ہے کہ اگر وہ لغزش سے بچا رہا تو انسان برائیوں سے بچا رہتا ہے اور اگر وہ قابو سے باہر ہوا تو انسان مبتلائے فواحش ہوتا ہے اور آپ نے اپنی زبان مبارک پکڑ کر بتایا کہ وہ بدن کا عضو یہ ہے۔

اگر غور کرو تو معلوم ہو جائیگا کہ بندے اور خدا کے درمیان اور خود ایک بندے اور دوسرے بندے کے درمیان بیشتر برائیوں کی جڑ صرف زبان ہے۔

زبان پر قابو درحقیقت نفس امارہ کیلئے ایک بہت مضبوط آہنی لگام ہے۔

غور کرو انسان میں رہ کر اگر زبان کو بے محل نہ استعمال کیا جائے اور استعمال بھی کیا جائے تو قرینہ سے، تو اس کے نتائج کس قدر نفع بخش اور پائیدار ہوں گے۔

آدمی کی زبان ہی ایسی چیز ہے جو آدمی کو ذلیل و رسوا بھی کرتی ہے اور عزت و آبرو بھی بخشتی ہے۔

حسن معاشرت میں زبان کو بڑا دخل ہے، اگر تم میٹھے بول سے لوگوں کے ساتھ پیش آتے ہو، اگر کسی نے کوئی سخت بات کہہ دی تو تم اس سے نرم لہجے میں گفتگو کرتے ہو، جس سے ملتے ہو، جس سے بات کرتے ہو، محبت آمیز اور پیاری بات کرتے ہو تو بتاؤ کہ خاندان، محلہ گاؤں

اور شہر کے بڑے بوڑھے لڑکے بچے تمہیں کیا سمجھیں گے؟

اپنا ہو یا بیگانہ مسلم ہو یا غیر مسلم یقیناً تمام لوگ تم سے محبت کریں گے، ہر شخص تم کو عزت و آبرو سے پکارے گا، سب کے دل تمہاری محبت اور تمہارے لئے دعاؤں سے معمور ہوں گے۔

اگر خدانخواستہ تمہاری زبان کڑوی ہے اچھی بات کا جواب بھی سختی اور ترشی سے دیتے ہو جس سے بات کرتے ہو اکھڑی اکھڑی جس کو جواب دیتے ہو سخت تمہاری ہر بات تیر و نشتر بن کر نکلتی ہے تو کیا تم تمام لوگوں میں نکو (بدنام) نہ بن جاؤ گے، یقیناً ہر شخص تم سے نفرت کرے گا، ہر آنکھ ذلیل سمجھے گی اور لوگوں کے دلوں سے اتر جاؤ گے۔

یہ تو دنیا میں اس جرم کی سزا بھگتو گے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ اس بداخلاقی کی بناء پر تم کو قابل مواخذہ قرار دے گا، کیونکہ عبادات کی طرح اخلاق بھی اسلامی تعلیمات میں داخل ہیں، یہ بھی خدا اور رسول کا حکم ہے، اس کے لئے بھی رسول اور قرآن کی آمد ہوئی ہے صرف نماز روزہ ہی کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن حکیم نہیں۔

پس زبان کے گناہ سے بچو اور دنیا میں باعزت رہ کر آخرت میں عذاب سے بچو حدیث شریف میں ہے کہ:

اتقوا النار ولو بشق تمرة فان لم تجدوا فبكلمة طيبة (بخاری و مسلم)

جہنم سے بچنے کی فکر کرو اگرچہ کم تر درجہ ہی نیکی سے اگر کچھ نہیں تو اچھی بات ہی کے ذریعہ جہنم سے نجات حاصل کرو۔

☆☆☆☆☆

دانائی

مرد مومن کی شان عام انسانوں سے کچھ نرالی ہی ہوتی ہے وہ حکیم ہے، دانا ہے اور عقلمند ہے مگر حکمت ودانائی اور عقلمندی کی تلاش میں اپنے کو گم پاتا ہے، کیوں کہ اس کا ایمان ہے کہ قدرت نے کائنات کی تمام چیزوں میں اس کے لئے نفع پنہاں کررکھا ہے، اب اس کا کام ہے کہ حکمت ودانائی کے بل بوتے پر اس کو حاصل کرے، اس سے مستفید ہو، تاکہ زیادہ سے زیادہ کامیاب زندگی بسر کرسکے۔

ومن یوتی الحکمۃ فقد اوتی خیرًا کثیرًا ، جسے دانائی مل گئی تو بہت نیکیاں مل گئی۔

دین اور دنیا میں سلیقہ مندی، بندوں میں سرخروئی اور خدا کی جناب میں کامیابی کا ذریعہ دانائی اور سمجھ ہے، اگر کسی میں یہ دانائی دینی اصول کی روشنی میں پائی جاتی ہے تو وہ بندے اور خدا کے درمیان مقبول ہے، اس کی دنیاوی زندگی کامیاب ہے، اس کی دینی زیست قابل اطمینان ہے۔

اسی لئے علماء نے ''الحکمۃ'' کے معنی ''دین کی سمجھ'' کے لئے ہیں، کیونکہ دینی اصولوں پر حاصل کی ہوئی فراست ودانائی ہی انسانیت کی تکمیل ہے، خدا کی رضا جوئی ہے اور خدا کی زمین کی زینت ہے، اور غیر مذہبی سمجھ سراسر شرارت، مجسم تخریب اور کھلم کھلا بدنمائی ہے، دیکھ لو! خدا نے زمین وآسمان کی ودیعتوں سے متمتع ہونے کی ترغیب دی قرآن نے ہر قسم کے علوم

حاصل کرنے کا حکم دیا، رسول نے کائنات کی مخفی امانتوں کو کام میں لانے کے لئے علوم کی طرف ترغیب دی اور فرمایا:

الحکمۃ ضالۃ المومن فحیث وجدھا فھو احق بھا ، حکمت مومن کی گم شدہ دولت ہے وہ جہاں بھی ملے اس پر مومن کا حق پہلے ہے۔

لیکن عرض کیا جاچکا ہے کہ اس سے مراد وہی عقلمندی ہے جو دین کے اصول پر ہو، اگر کوئی دوسری دانائی ہے تو اسلام اسے مومن کا حصہٴ خاص نہیں ٹھہراتا بلکہ وہ کافروں کی چیز ہے، انسانیت کے مجرموں کا حصہ ہے اور روئے زمین کے سیاہ کاروں کی ملک ہے۔

دیکھو! آج سے زیادہ حکمت ودانائی شاید کسی زمانہ میں نہ تھی، مگر چونکہ خدائی منشأ کے خلاف ہے، قوانین قدرت کے مخالف ہے اور فطرت کی دشمن ہے اس لئے یہ حکمت انسانیت کی تباہی کا ذریعہ بن گئی، علوم کے نتائج میں جہالتوں کے کارنامے رونما ہوگئے آج کی ہر علمی تحقیق ہر تجرباتی علم اور نئی حکمت مجموعہ شر کثیر ہے کیونکہ حکمت کا ''خیر کثیر'' ہونا فطرت کے اصول پر کاربندی کا باعث تھا، اور آج اس کی بنیاد فطرت سے بغاوت پر ہے۔

☆☆☆☆☆

ذمہ داری

اسلام ایسے قانون فطرت کا نام ہے، جس پر عمل کرنے کے بعد آدمی اپنی حرکات وسکنات پر دنیا میں قوم کے سامنے، جماعت کی محفل میں جوابدہ ہوتا ہے اور آخرت میں احکم الحاکمین کے دربار میں مسئول ٹھہرتا ہے۔

یہ ناممکن ہے کہ کوئی مرد یا عورت مسلمان ہو کر جو چاہے کرے، نتائج سے بے پرواہ ہوجائے، اور اپنے آپ کو غیر مسئول قرار دے کیونکہ اسلام نے ہر آدمی کے ذمہ کچھ حقوق عائد کئے ہیں، جن پر عمل کرنا اسلام کے لئے عملی جامہ ہے اور ان سے لاپروائی برتنا اسلام سے کھلی بغاوت ہے۔

مرد، عورت، بچہ، بوڑھا، جوان، گھر کے لوگ محلّہ کا سردار، شہر کا ذمہ دار، ملک کا بادشاہ غرض کہ ہر وہ شخص جس کا انسانی تعلق دوسروں کے ساتھ ہے اپنے تعلقات کی حدود میں قابل باز پرس ہے۔

زبان رسالت نے اس جامع اصول کو ان الفاظ میں بیان فرمادیا ہے:

كُلُّكم راعٍ و كلكم مسئولٌ عن رعيّتِه (بخاری ومسلم)

تم میں سے ہر شخص گلہ بان ہے اور ہر شخص سے ان کے گلہ کے متعلق سوال ہوگا۔

یعنی مسلمانوں کا ہر فرد غیر کا ذمہ دار ہے، اور اس کی ذمہ داری کے بارے میں باز پرس ہوگی کہ اپنی ذمہ داری میں کہاں کامیاب رہا اور کہاں تک ناکام۔

اگر غور کرو گے تو یہ حقیقت روز روشن کی طرح تمہارے سامنے آئے گی کہ اسلام کا یہ اصول دین و دنیا دونوں کی کامیابی کا ذمہ دار ہے، اور حقوق العباد کے لئے ریڑھ کی ہڈی ہے۔

اس کلیہ سے ایک بھی اسلام کا دعویدار اپنے کو خارج قرار نہیں دے سکتا اور قوم کے سامنے جواب دہی سے اپنے کو بری نہیں کرسکتا اور نہ ہی خدا کے دربار میں اپنی برأت کی کوئی دلیل نکال سکتا ہے۔

پس تم اپنے اعمال وخیال کا جائزہ لو کہ اپنے ماتحتوں کے ساتھ کس قسم کا سلوک رکھتے ہو، اور ان کے بارے میں اسلامی تعلیمات پر کہاں تک عمل کرتے ہو کہ ان پر عمل کرنا عین اسلام ہے، اور ان میں کاہلی اسلام میں نقص ہے، کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ تم نقصان میں پڑے ہو، اور تمہیں اس کی خبر نہیں، تمہاری متاع ایمانی میں کمی ہو رہی ہے اور تم مگن ہو کہ تم پکے مومن ہو، ایک عامیانہ نگاہ ہی اپنے اوپر ڈالو اور دیکھو کہ تم اسلام کی کہاں تک پیروی کررہے ہو۔

☆☆☆☆☆

امام کی ذمہ داری

عن ابن عمر رضی الله عنهما قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول کلکم راعٍ وکلکم مسئول عن رعیّته الامام راعٍ ومسئول عن رعیته والرجل راعٍ فی اهله ومسئول عن رعیته والمراةُ راعیة فی بیت زوجها ومسئولةٌ عن رعیتها والخادمُ راعٍ فی مال سیده ومسئول عن رعیته فکلکم راعٍ ومسئولٌ عن رعیته،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے اور ماتحتوں کے بارے میں جوابدہ ہے، امام نگہبان ہے اور ماتحتوں کے بارے میں جوابدہ ہے آدمی اپنے اہل وعیال کا نگہبان ہے اوران کے متعلق جواب دہ ہے اورعورت اپنے شوہر کے گھر کی نگہبان ہے، اوراس کے لئے جواب دہ ہے اور خادم اپنے مالک کے مال کا نگہبان ہے اوراس سلسلہ میں جواب دہ ہے الحاصل ہر شخص راعی اور مسئول ہے۔

گذشتہ صفحات میں ہم نے اس حدیث کا ابتدائی حصہ، آپ کے سامنے پیش کیا تھا یہاں پوری حدیث آپ کے سامنے ہے، جس میں چند اہم اور ضروری معاملات کے بارے میں بطور مثال کے تنبیہ کر کے سمجھا دیا گیا ہے کہ مسلمان کی زندگی کا ہر شعبہ رجلیت کا ہو یا نسائیت کا، عمومی ہو یا خصوصی، مالک سے متعلق ہو یا غلام سے، قابل سوال واحتساب ہے۔ کوئی شخص کسی

شعبے میں اپنے کو غیر مسئول اور بری الذمہ قرار نہیں دے سکتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث کی تشریح کے سلسلے میں سب سے پہلے امامت کی مثال پیش فرمائی ہے کیونکہ یہ اسلامی زندگی کا ہمہ گیر شعبہ ہے اور اس کا تعلق ہر مسلمان سے ہے۔

اسلام کی اجتماعی زندگی کے ذمہ دار فرد کو اسلام کی اصطلاح میں امام، خلیفہ، امیر، صاحب امر، کہتے ہیں، چاہے اس کی حیثیت بادشاہ کی ہو چاہے عالم کی۔ در حقیقت ایسا شخص تمام امت کے اعمال و کردار کا ذمہ دار ہوتا ہے ان کی تمام اچھائیوں میں امام کی نیک چلنی کو بڑا دخل ہوتا ہے، اسی طرح ان کی برائیوں میں اس کی زندگی کا اثر ہوتا ہے، امت کے ایک ایک فرد کی اسلامی زندگی کا وہ ذمہ دار ہوتا ہے اس کا فرض ہے کہ ہمہ وقت اپنی زندگی کو قوم کے لئے وقف رکھے اور خود اعلی سیرت پر عمل کر کے ان سے عمل کرائے دیانت، صداقت، غیرت، شجاعت، ہمدردی، غمخواری، خدا ترسی، باہمی امداد و تعاون کی فضا اس طرح پیدا کر دے کہ کائنات اسلام کی ہمہ گیر تحریک پر صدائے احسنت و مرحبا سے گونج اٹھے اور خلافت ارضی کے ورثا، صالحین کی مصلحانہ کوششوں سے دنیا امن و سلامتی کا گہوارہ بن جائے، بندوں کے باہمی تعلقات استوار ہوں خدا اور بندوں میں نیاز و جزا کی خوشگوار ساعت پیدا ہو مسلمان پیشوا، اسلامی امیر اور دینی امام کا یہ فرض ہے، اگر اس میں اس نے کوتاہی کی تو وہ سخت بازپرس کے قابل ہے۔

☆☆☆☆☆

مرد کی ذمہ داری

مذکورہ حدیث کے دوسرے ٹکڑے میں ایک ایسی امامت کا ذکر ہے جس کا تعلق ایک خاندان سے ہے:

والرجل راع فی اھلہ ومسئول عن رعیتہ ، آدمی اپنے خاندان کا پاسبان ہے اور وہ اس کے بارے میں مسئول ہے۔

یعنی بعینہٖ جس طرح ایک امام، خلیفہ، امیر اور سلطان تمام رعایا اور عوام مسلمان کے کیرکٹر، اخلاق وعادات اور معتقدات کا ذمہ دار ہے، اور ان کے بارے میں جواب دہ ہے، اسی طرح گھر کا مالک، خاندان کا سردار اور کنبے کا ذمہ دار آدمی اپنے ماتحتوں کی ہر چیز کا نگہبان ہے اور اس کی نگرانی گھر کو جنت بنا سکتی ہے اور غفلت جہنم!

بچوں کی دیکھ بھال، ان کی تعلیم وتربیت، اخلاق واعمال کی درستگی اور آئندہ زندگی کو خوشگوار بنانے کی ذمہ داری گھر کے اس ذمہ دار فرد پر موقوف ہے جسے خدا نے اس مختصر سی سلطنت کا بادشاہ بنایا ہے۔

بچے اگر آوارہ ہو رہے ہیں عورتیں اگر اپنے فرائض سے غافل ہو رہی ہیں، خاندان کے اور لوگ اگر حق ودیانت اور عزت وشرافت کے خلاف روش اختیار کر رہے ہیں، گھر کا گھر بے راہ ہو رہا ہے، جہالت عام ہو رہی ہے، اعتقادات کمزور ہو رہے ہیں، سب کے اخلاق خراب ہو رہے ہیں، عزت وشرافت کی جگہ گھر میں ذلت ونکبت آ رہی ہے، خاندان کی ساکھ اُکھڑ رہی

ہے، محلّہ میں بدنامی ہو رہی ہے تو اس کا ذمہ دار وہی شخص ہوگا جسے سارے گھر کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا تھا، اور خدا نے اس کے ذمے اسلامی فرائض عائد فرمائے تھے کہ ان پر چل کر خاندان کو اسلامی سانچے میں ڈھالے، تمام افراد کو اللہ کے رنگ میں رنگ دے۔

پس بچوں کا باپ، عورت کا شوہر اور اپنے متعلقین کا بڑا آدمی ان لوگوں کی روش کا جوابدہ ہے، گھر والے اس سے جواب طلب کر سکتے ہیں، محلّہ کے لوگ اسے شاباشی یا ملامت سے خطاب کر سکتے ہیں، وہ شخص اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں مسئول قرار پا سکتا ہے۔

اپنے بچوں کے، اپنی عورتوں کے اپنے بھائیوں اور بہنوں کے ہر معاملے میں ذمہ دار اگر تم ہو تو سوچو کہ اس سلطنت کی رعایا کے ساتھ تمہارا سلوک کیسا ہے؟ تم کہاں تک رعایا پروری کر رہے ہو؟ ان کی ضروریات کا کس قدر خیال رکھتے ہو، اور برائیوں سے روکنے اور بھلائیوں کے کرنے میں کہاں تک ان کی مدد کرتے ہو؟

ان معاملات میں اگر تم سستی کرو گے تو خوب سمجھ لو کہ تمہاری ذرا سی لغزش خاندان کی ہلاکت کا باعث ہوگی اور تمہاری راہ روی اس کی فلاح وبہبود کی ذمہ دار ہے پس آدمی اپنے بال بچوں کا راعی اور مسئول ہے۔

☆☆☆☆☆

عورت کی ذمہ داری

گھر کی چھوٹی سی سلطنت میں مرد کے بعد عورت کی حکمرانی ہے، بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو خانگی معاملات میں عورتوں کی زندگی کو بڑا دخل ہوتا ہے، بچوں کی تربیت، انتظامی امور کی دیکھ بھال، چھوٹوں کی رکھوالی، ان کے اخلاق وعادات کی نگہداشت مرد سے زیادہ عورت ہی کرتی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ انسان کی تربیت کا پہلا مدرسہ ماں کی آغوش ہے، وہیں سے آدمی اپنے اچھے یا برے کردار پیدا کرتا ہے، زندگی کے ابتدائی ایام جو ساری زندگی کے لئے سنگ بنیاد ہوتے ہیں، ماں کی آغوش ہی میں گذرتے ہیں، اگر عورت نیکی کا گہوارہ ہے تو انسان کی زندگی نیک ہوتی ہے اور اگر اس کی طبیعت میں برائی ہے تو پھر انسانیت کو برے نتائج بھگتنے پڑتے ہیں درحقیقت یہ پہلی سوسائٹی ہے جہاں اعمال وکردار اور معتقدات وخیالات کی دنیا بنتی ہے اس لحاظ سے عورت کا بڑا مقام ہے اور اس کی ذمہ داری بھی بہت اہم ہے۔

پھر عورت اپنے شوہر کے گھر کی منتظمہ ہے، اس کی سلیقہ مندی گھر کی آبادی ہے، اگر چاہے تو عورت اپنے شوہر کا گھر جنت بنادے اور اگر چاہے تو جہنم کردے، یہ اس کے بائیں ہاتھ کا کام ہے، پس اس کی زندگی مرد کے گھر میں، اپنے بچوں کی تعلیم وتربیت میں، گھر کے دوسرے افراد سے تعلقات کے سلسلے میں اور خود شوہر کی رضامندی وعدم رضامندی میں مسئول وجوابدہ ہے، خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام امور میں عورت پر

فرائض عائد کئے ہیں اور اس کے سر ذمہ داریاں ڈالی ہیں، اگر عورت ان کو پورا کرتی ہے اپنی ذمہ داری کا احساس رکھتی ہے اور سمجھتی ہے کہ اس گھر کی آبادی وبربادی میرے کام پر منحصر ہے اور اس کے مطابق عمل بھی کرتی ہے تو نیک بخت ہے وہ عورت اور نیک بخت ہے وہ مرد جس کے نکاح میں ایسی سعیدہ عورت ہے جو اپنے گھر والوں میں سرخرو، محلے میں نیک نام اور اللہ ورسول کے یہاں بامراد ہے۔

حدیث شریف کا تیسرا تشریحی جملہ یہ ہے:

والمراۃ راعیۃ فی بیت زوجھا ومسئولۃ عن رعیتھا،	عورت اپنے شوہر کے گھر میں نگہبان ہے اور گھر والوں کے بارے میں جواب دہ ہے۔

پس مسلمان عورتوں کو سوچنا چاہئے کہ خدا نے ان کا مقام کس درجہ بلند فرمایا ہے اور ان کو شوہر کے گھر کی بادشاہی دی ہے لیکن اس بادشاہی میں سرخروئی کے لئے ضروری ہے کہ اپنے فرائض پورے کئے جائیں، اپنی ذمہ داریوں کا احساس رکھا جائے اگر ایسا نہیں ہے تو پھر یہ بادشاہی وبال جان ہے، یہ شرافت وعزت دین ودنیا میں ذلت ورسوائی کا سبب ہے اور عاقبت امر ہلاکت وخسران کے سوا کچھ نہیں ہے۔

مرد غور کریں کہ کیا انہوں نے اپنی عورتوں کو فرض شناسی کے قابل بنایا ہے؟، انہیں خدا ورسول کے احکام معلوم کرائے ہیں؟ اور ان کی زندگی کو اسلامی رنگ میں ڈھالنے کی لئے آسانیاں بہم پہنچائی ہیں؟ اگر ایسا نہیں کیا ہے تو مرد اپنی ذمہ داری سے سبکدوش نہیں ہوئے اور مواخذے کا سارا وبال ان ہی کے سر ہے۔

☆☆☆☆☆

بعض واعظین سے

قوم جاہل ہے، بدعتی ہے، سراسر غرق معصیت ہے اور امر الٰہی سے منہ موڑ کر نواہی کے گڑھے میں منہ کے بل پڑی ہوئی ہے، آج قوم کا یہی حال ہے، پھر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کو انجام دینے والے علماء بھی موجود ہیں، وعظ کی مجلسیں منعقد ہوتی ہیں سر منبر وعظ ہو رہا ہے، آیات الٰہی اور احادیث نبوی کی تبلیغ ہو رہی ہے، اس صورت حال سے کسے انکار ہو سکتا ہے۔

یعنی عام مسلمانوں میں جو برائیاں ہیں ان کے ازالے کی کوشش علماء امت کی طرف سے ہوا کرتی ہے۔

لیکن ساتھ ہی ایک تلخ حقیقت ہے اور اس کا بھی انکار ناممکن ہے، غور کرو، اور بتاؤ کہ کیا اکثر وعظ فرمانے والے علماء، سر منبر آیات اللہ کی تلاوت کرنے والے مبلغین اور عوام کو برائیوں پر کوسنے والے ذمہ داران دین اور زجر وترہیب کے وقت آتشیں لب ولہجہ میں گرجنے والے ارباب کار جب منبروں سے اُتر کر باہر آتے ہیں تو اوامر ونواہی کے بارے میں ان کا وہی رویہ رہتا ہے جو سر منبر تھا؟ کیا عوام کو ایسا ہی برا خیال کرتے ہیں جیسا کہ وعظ کی مجلس میں فرماتے تھے؟ اور واقعی ان کے دل میں وہی ہوتا ہے جو بظاہر وعظ وتبلیغ کے مجمعوں میں ہوتا ہے؟؟!

بتاؤ کیا ایسا نہیں ہوتا کہ اپنا فرض وعظ گوئی ادا کرنے کے بعد یہ لوگ عوام میں مل جاتے

ہیں، ان کے ہم نوالہ وہم پیالہ ہو جاتے ہیں، اور ان کے چشم وابرو کی ادا پر ان کی نگاہیں رقص کرنے لگتی ہیں، ؟ ایسا ہوتا ہے اور یقیناً ہوتا ہے کہ اکثر علماء وعظ ونصیحت کو صرف ادائے فریضہ سمجھ کر بجالاتے ہیں اور پھر جہاں مجلس وعظ ختم ہوئی وہی غلط کار عوام، جاہل مسلمان اور گمراہ لوگ ان علماء کے حلقۂ احباب میں داخل ہو جاتے ہیں اور پھر علماء ان عوام میں اس طرح مل جاتے ہیں کہ گویا یہ ان کے خاندانی لوگ ہیں، آبائی رشتہ ہے اور نہ مٹنے والی پرانی دوستی ہے۔

یہ صورت حال کبھی تو اس لئے ہوتی ہے کہ عوام سے کوئی کام چلانا ہے، پیسے وصول کرنے ہیں، ذاتی اغراض کے لئے ان کو آلۂ کار بنانا ہے، کبھی اس لئے ہوتی ہے کہ عوام میں سرمایہ دار، ذی اثر لوگ ہیں، کبھی ذاتی تعلقات اور پرانی راہ ورسم کی وجہ سے یہ صورت پیش آتی ہے، بہر حال ایسا ہوتا ہے، اس سے انکار کی مجال نہیں!

وہ مولوی اس لئے وعظ وتبلیغ نہیں کرتا کہ واقعی وہ برائی کو برائی سمجھتا ہے، قرآن وحدیث کے خلاف سمجھتا ہے اور اس کے خلاف آواز بلند کرنا عوام سے برسر پیکار ہونا جہاد حق اور اعلائے کلمۃ اللہ سمجھتا ہے بلکہ وہ اگر وعظ کہتا ہے تو اس لئے کہ مولوی ہے، اسے وعظ کہنا ہے، لوگوں کو قرآن حدیث سنا دینا ہے اور بس، اسی لئے تو مجلس وعظ سے اٹھ کر عوام میں اس طرح مل جاتا ہے جیسے یہ لوگ نیکوں کے نیک ہیں اور متقیوں کے متقی۔

لیکن خوب یاد رکھو، جس امت میں عوام کی برائیوں کے مقابلہ میں علماء کا یہ رویہ ہو، نہ وہ قوم فلاح پا سکتی ہے نہ علماء بچ سکتے ہیں، یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ادائیگی نہیں ہے، اس سے نہ عوام درست ہوں گے، نہ علماء اپنے فریضے سے سبکدوش ہوں گے بلکہ اس طرح سے تو برائیوں کی سرگرمی ہوگی، اور محارم اللہ کی پردہ دری علماء کے سامنے ان کی موجودگی میں ہوگی، اور جب یہ صورت ہوگی تو پھر دنیا میں باعزت زندگی نہیں بسر ہو سکتی، ایسی قوم کسی طرح پھل پھول نہیں لا سکتی اور اس میں کبھی زندگی کے آثار پیدا نہیں ہو سکتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کے عوام اور علماء کی روش کو جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بارے میں تھی صاف صاف لفظوں میں بیان فرمادیا ہے اور اپنی امت کو اس خطرناک صورت سے آگاہ فرمادیا ہے :

ان بنی اسرائیل لماوقع منهم النقص كان الرجل يرى اخاه يقع على الذنب فينهاه عنه فاذاكان الغد لم يمنعه مارای منه ان يكون اكيله وشريبه وخليطه فضرب الله قلوب بعضهم ببعض ونزل فيهم القرآن ﴿لعن الذين كفرو امن بنی اسرائیل﴾

(کنزالعمال رص:۱۹ رج:۲)

جب بنی اسرائیل کی دینی زندگی میں نقص پیدا ہوا تو ایک شخص اپنے بھائی کو دیکھتا کہ وہ معصیت کر رہا ہے تو منع کرتا ،لیکن دوسرے دن ہی اس کی یہ معصیت اس بات سے مانع نہ ہوتی کہ اس گناہ گار کے ساتھ وہ شخص کھائے پئے اور میل جول رکھے بلکہ بڑی آزادی سے وہ اس کے ساتھ کھانے پینے اٹھنے بیٹھنے میں شریک رہتا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ اللہ نے ان میں باہمی شکر رنجی ڈالدی ان کے بارے میں قرآن کی یہ آیت اتری ہے ﴿لعن الذين كفروا من بنی اسرائیل﴾

اس کے بعد آپ اپنی امت کے متعلق فرماتے ہیں:

والذی نفس محمد بيده لتامرن بالمعروف ولتنهون عن المنكر ولتاخذن على يد المسى ولتاطرنه على الحق اطرًا او ليضربن الله

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے ،اے میری امت کے لوگو! تم لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ضرور بالضرور کرنا، بدکار کا ہاتھ پکڑنا

ويلعنكم كما لعنهم ،

اور حق وصداقت پر جمے رہنا ورنہ خدا تعالیٰ تمہارے اندر باہمی عداوت پیدا کردے گا اور بنی اسرائیل کی طرح تم بھی ملعون ٹھہروگے۔

کیا پیشہ ور واعظین ،حریص سیم وزر ملا، ارباب دنیا کے محتاج دین کے ٹھیکہ دار لوگ ایک لمحہ کے لئے غور کرنیکی تکلیف گوارفرمائیں گے؟ کیا آج امت اسلامیہ کے عوام اور خواص اسی راہ پر تو نہیں چل رہے ہیں، جو لعنتی راہ ہے آج ہماری روش وہی روش تو نہیں ہے جس کی بنا پر قوم یہود لسان داؤد وعیسیٰ سے ملعون گردانی گئی اور ان کے دل باہمی بغض وعداوت سے بھر گئے اور پھر ایک دوسرے کے خلاف جہنم کی طرح بھڑ کنے لگے۔

اگر حقیقت کا اعتراف حق بات ہے تو اس حق بات کے کہنے میں پس وپیش نہ کرنا چاہئے کہ آج امت اور ذمہ داران امت میں بیشتر کے حالات یہی ہیں ،لسان رسالت برحق ہے رسول اللہ کی پیشگوئی معجزہ ہے ،ناممکن ہے کہ امت کے عوام اور علماء کا یہ حال ہو اور پھر دین کے گلشن میں بہار آئے ،آج کی صورت حال یہی ہے کہ وعظ ونصیحت کے جلسے نتائج کے لحاظ سے تقریباً صفر ہوتے ہیں، بلکہ بعض مرتبہ تو باہمی اجتماع کی وجہ سے بجائے دینی محبت کے ایسی مکروہ صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں کہ آپس میں بدگمانی ہو جاتی ہے ،عوام علماء کے خلاف دل میں غبار بھر لیتے ہیں اور علماء عوام کے خلاف غبار کی آندھی لے کر واپس جاتے ہیں، جب یہ حال ہے تو کیا وعظوں کی مجلسیں بند کر دی جائیں؟ علماء فریضۂ تبلیغ کو چھوڑ کر اپنے گھروں میں بیٹھ رہیں؟ آخر کیا کیا جائے؟ یہ کام بھی تو کرنا ہی ہے، ہاں یہ سوالات ضرور پیدا ہوں گے اور ایک سچے مسلمان کو چاہئے کہ سوچے کہ کیا کیا جائے۔

سنئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہے:

تقربوا الی اللہ تعالی ببغض اہل المعاصی والقوهم بوجوه مکفهرة والتمسوا رضاء اللہ بسخطهم وتقربوا الی اللہ بالتباعد منهم ، (کنز العمال رص:۱۹ارج:۲)

اہل معاصی سے بغض وعداوت رکھ کر اللہ کی قربت حاصل کرو ایسے بدکاروں سے اگر ملو بھی تو منہ بگاڑ کر ملو، ان کی ناراضگی سے خدا کو راضی رکھو اور ان سے دور رہ کر خدا کی نزدیکی حاصل کرو۔

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''اذا رایتم صاحب بدعة فاکفروا فی وجهه فان اللہ یبغض کل مبدع ''جب تم بدعتی کو دیکھو تو اس کے سامنے ترشرو بن جاؤ، کیونکہ اللہ تعالی ہر بدعتی کو مبغوض سمجھتا ہے۔

پس اصلاح امت کا طریقہ یہی ہے کہ واقعی برائی کو برائی ہی سمجھا جائے یہ نہ ہو کہ جب تک تم مجلس وعظ میں رہو تو برائی برائی رہے اور جب تم اور تمہارے واعظ صاحب دستر اخوان پر بیٹھو تو پھر تمہارا ہر کام سراسر نیکی ہی نیکی ہو جائے بلکہ جو برائی ہے وہ برائی ہی رہے گی ایک مصلح کا فرض ہے کہ بدکاروں، سیاہوں اور بدکردار لوگوں کو ہر حال میں برا سمجھے، جلوت ہو یا خلوت ان سے اس طرح ملے کہ گمان نہ ہو کہ عالم کا ضمیر برائیوں سے متاثر ہے، اگر خدا کی قربت مقصود ہے تو بدکاروں کو دور کرنا پڑیگا۔

اگر خدا کی رضا جوئی کی تمنا ہے تو اہل معاصی کی ناراضگی مول لینی پڑے گی، ایسا نہیں ہو سکتا کہ بت بھی راضی رہے اور خدا بھی خوش بتوں کو پوج کر خدا کی قربت ناممکن ہے۔

اگر نیکی وبدی میں فرق ہے تو ہر جگہ اور ہر موقعہ پر یہ فرق رہے گا اگر اس حقیقت کو بھی زمان ومکان میں مقید کر دیا گیا تو پھر بنی اسرائیل کی ذلیل زندگی کے لئے تیار رہنا چاہئے، اے کاش! سمجھنے والے اسے سمجھیں اور عمل کرنے والے اس پر عمل کریں۔

☆☆☆☆☆

اسلامی اجتماعیت

نظارۂ فتح وظفر

• خدا کی دی ہوئی بخششوں میں پھنس کر خدا کو بھلا دینا ایسا عظیم الشان جرم ہے جس کی سزا قومی ہلاکت، اجتماعی تباہی اور عمرانی بربادی کے سوا کچھ نہیں، احسانات پر اترا کر احسان فراموشی ایسا کفران نعمت ہے جس کا نتیجہ نہایت ہی دور رس اور تباہ کن ہوتا ہے۔

اسی لئے اسلام نے ہر حال میں خدا کی یاد کی تلقین کی ہے اور اس کے ذکر کا وعدہ لیا ہے، تاریخ کے صفحات بول رہے ہیں کہ جن قوموں کو خدا نے ناز ونعمت میں پالا اور وہ ان میں پڑ کر خدا کو فراموش کر گئیں تو وہ صفحۂ ہستی سے اس طرح مٹ گئیں کہ ان کے نام سے گھن آتی ہے، دنیا ان کے تذکرہ کو برے انداز میں کرتی ہے۔

اللہ کی یہ سنت کسی خاص قوم یا جماعت کے ساتھ خاص نہیں بلکہ یہ قانون قدرت ہر جگہ اور ہر دور میں اپنا کام کرتا ہے، تم نے پڑھا ہوگا کہ روم وفارس کی قدیم متمدن حکومتوں کو عرب کے بدؤں نے مٹا دیا، تہذیب وتمدن کے ان گہواروں میں بادیہ نشینان عرب نے آگ لگا دی اور عظمت وشوکت کے انسانوں کو انہوں نے اس طرح محو کر دیا کہ اب نام کو بھی ان کی یادگار باقی نہیں، ایسا کیوں ہوا؟ یہ ایک سوال ہے اور اس کے جواب کے لئے ہم ایک عبرتناک واقعہ درج کرتے ہیں۔

روم کا خوبصورت اور متمدن شہر قبرص فتح ہو چکا ہے، رومی فوجوں کے منظم حملے صحابہ کرام کو دفع نہ کر سکے، شان وشوکت کی ساری داستان افسانہ بن کر رہ گئی، رومیوں میں کہرام مچا ہے، مسلمانوں میں خوشی ہو رہی ہے، فاتح اپنے کام میں ہیں، مفتوح اپنے شغل میں۔

عین اسی موقع کا ایک قصہ حضرت جبیر بن نفیر بیان فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ فتح

قبرص کے دن حضرت ابو درداءؓ ایک طرف تنہا بیٹھے رو رہے ہیں، میں نے عرض کیا ابو درداء! آج اللہ نے اسلام کو عزت دی ہے مسلمانوں کی شوکت کے اظہار کا موقع ہے آپ کیوں رو رہے ہیں؟ حضرت ابو درداء نے فرمایا!

ویحک یا جبیر ما اھون الخلق علی اللہ عز وجل اذا اضاعوا امرہ بینھم ھی امۃ قاھرۃ ظاھرۃ لھم الملک ترکوا امر اللہ فصاروا الی ما تری (الجواب الکافی ابن قیم)

افسوس جبیر! تم ایسا سوال کرتے ہو جب مخلوق اپنے خالق کے حکم کی نافرمانی کرتی ہے اور اس کی بات ضائع کر دیتی ہے تو پھر خدا کے نزدیک وہ نہایت ذلیل ہو جاتی ہے۔

یہ رومی قوم کتنی جابر و پرشوکت قوم تھی، ان کا غلبہ تھا، ان کے پاس ملک تھے لیکن جب انہوں نے خدا کی نافرمانی کی تو تم دیکھ رہے ہو کہ ان کا کیا حال ہوا؟

حضرت ابو درداء کی دیدۂ عبرت آنسوؤں سے پرنم تھی کہ کل کو اس امت اسلامیہ کا حال اگر رومیوں جیسا ہوا تو نتیجہ یہی ہوگا کہ کوئی دوسری قوم ان پر اسی طرح قبضہ کر لے گی کیونکہ قانون قدرت میں کسی قوم کیلئے لچک نہیں ہے فطری اصول ہر قوم پر یکساں لاگو ہوتے ہیں۔

مسلمان ایک سرسری نظر ڈال کر اپنے کو دیکھ لیں کہ انہیں بھی خدا نے دنیا میں کتنی شان وشوکت دی تھی، قیصر وکسریٰ کے تاج ان کے قدموں کی زد میں تھے مگر اس قوم نے ناز ونعم میں خدا کو بھلا دیا تو خدا نے اسے اپنے قدرتی قانون کی رو سے وراثت ارضی سے برطرف کر دیا۔

اصل یہ ہے کہ قانون قدرت پر عمل کیا جائے اور دنیا میں باعزت رہنے کے جو اسلامی قوانین ہیں ان پر عمل کیا جائے، منہ سے دعویٰ کر دینا ہی اگر کافی ہوتا تو یہود ونصاریٰ بھی تو ﴿نحن ابناء اللہ واحباءہ﴾ (ہم خدا کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں) کہتے کہتے وہ صفحۂ عزت وشرافت سے مٹ نہ جاتے، پس کیا مسلمان صرف دعویٰ کر کے عزت وسربلندی حاصل کر سکتے ہیں؟۔

☆☆☆☆☆

اسلامی قومیت کی بنیاد

قوموں کی ہیئت اجتماعیہ بہ منزلہ جسم کے ہے اور وہ خاص افراد جن کے کردار سے قوم بنتی ہے یا اس کا بقا ہوتا ہے بہ منزلہ اس کے دل کے ہیں۔

پس اگر قوم کے رہنما اور لیڈر صالح افراد ہیں، اولوالعزم مخلص اور اہل دین ودیانت ہیں تو قوم صالح ہے۔

اور اگر بدقسمتی سے قوم کا یہ اہم مقام فاسد عناصر کی آماجگاہ بن گیا ہے، جو دینی رجحانات عملی سرگرمی اور جذبۂ ایثار سے خالی ہے تو پھر قوم کی ایک ایک حرکت زوال کا پیش خیمہ ہے اور نتیجہ " ضلوا فاضلوا " (خود گمراہ ہو کر دوسروں کو گمراہ کریں گے) کے سوا کچھ نہیں۔

چونکہ اسلامی زندگی کا بقا اور مسلم قوم کا عروج مذہبی روح کی بشاشت اور عملی قوت کی تازگی پر منحصر ہے لہٰذا قیادت وامامت کے حقیقی سزاوار وہی اشخاص ہو سکتے ہیں جو وقت کی صحیح نبض شناسی کے بعد اسلامی زندگی کی روح کے محافظ بن سکیں انہی نفوس قدسیہ سے قوم میں صلاحیت وبرکت کا ظہور ہو سکتا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے مسلمان قوم کا یہ اصول زندگی رکھا:

﴿ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم ﴾ اللہ اور اس کے رسول کی پیروی کے بعد اپنے ارباب ملت، اشراف امت اور علماء شریعت کی پیروی کیا کرو۔

''اولی الامر'' (ارباب حل وعقد، اشراف قوم، اور علماء شریعت) کے عظیم الشان مقام کے وارث وہی حضرات ہیں جن کی زندگیاں اسلامی کردار کا نمونہ ہیں جن کا مقصد حیات مقام عزیمت ہے اور جو قوت عمل کے مجسمہ ہیں، انہی کی گرم روح قوم کے سارے جسم میں گرمی حیات پیدا کر سکتی ہے، اس فہرست میں ان بیمار عناصر کا کوئی ذکر نہیں جو اپنے اصلی مقام سے ہٹ کر دنیا کی نگاہوں پر اپنا سب کچھ قربان کئے بیٹھے ہیں، بلکہ وہ لوگ ایسے چشمے ہیں جہاں سے فساد کی نہریں پھوٹ کر نکلتی ہیں۔

لہٰذا قومی احتساب اور اجتماعی جائزے کے لئے ضروری ہے کہ غور کر لیا جائے کہ قوم میں کس قسم کے افراد واشخاص کی روح کارفرما ہے، قیادت وامامت کی وراثت کن کے حصے میں آتی ہے۔

☆☆☆☆☆
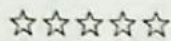
تباہی کا اصلی سبب

قدرت نے انسانی بستیوں کو کائنات ارضی کے لئے زینت بنایا ہے تا کہ انسان یکجا ہو کر شرف و کمال کا مظاہرہ کرے دنیا میں عیش و محبت کی زندگی بسر کرے خدا کی لاتعداد نعمتوں سے فائدہ حاصل کرے، اور خدا کے قوانین فطرت پر چل کر دنیا کو امن و سکون کا گہوارہ بنادے۔

خدا نے انبیاء ورسل مبعوث فرمائے تا کہ انسانی گروہ ان کی رہنمائی میں دنیا کے اندر ایک ایسی کامیاب زندگی گذارے جو دنیا تو دنیا آخرت میں بھی کامیاب ہو، جن سعید انسانوں نے قوانین خدا کی پیروی کی خدا نے ان کو دنیا و آخرت کی نعمتوں سے نوازا۔

﴿ انا لننصر رسلنا والذین امنوا فی الحیوۃ الدنیا ویوم یقوم الاشھاد ﴾

ہم نے رسولوں کی اور ان لوگوں کی دنیا و آخرت میں مدد کی جنہوں نے ایمان قبول کیا۔

پس انسانی بستیاں اسی وقت نصرت الٰہی سے فیض یاب ہو سکتی ہیں جب اس کے اصول وضوابط پر کار بند ہوں اور انہیں اپنی زندگی کا لائحہ عمل بنائیں۔

تم نے تاریخوں میں پڑھا ہوگا کہ بستیوں کی بربادیاں شہروں کی تباہیاں اور قوموں اور ملکوں کی ہلاکتیں اسی وقت ہوئی ہیں جب ان کے افراد و عناصر نے بغاوت کی، خدا کے رسولوں کی نافرمانی کی اور اپنے اغراض و شہوت کے پیچھے خدائی قوانین کو پس پشت ڈال دیا۔

ان حالات میں جب کہ ان کی تباہیاں ثابت ہو جاتی ہیں قدرت کا دست غیب اپنا کام کرتا ہے اور بڑی بڑی جابر و ظالم قومیں نیست و نابود ہو جاتی ہیں، متمدن قوموں کے نشان صفحۂ

وجود سے حرف غلط کی طرح مٹ جاتے ہیں۔

لیکن غور کرو یہ تباہ کاریاں، یہ ہلاکتیں اور یہ مصائب کہاں سے اور کب آتے ہیں، ان کے اسباب کا مواد کہاں سے پھوٹ کر نکلتا ہے جو ساری قوم کو برباد کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ اذا اردنا ان نھلک قریۃ امرنا مترفیھا ففسقوا فیھا فحق علیہ القول فدمرناھا تدمیرا ﴾

جب ہم کسی بستی کی ہلاکت کا ارادہ کرتے ہیں تو پہلے اس کے خوش حال لوگوں کو بڑھا دیتے ہیں پھر وہ لوگ بستیوں میں فسق و فجور کرتے ہیں جن کی وجہ سے بات پکی ہو جاتی ہے اور اس بستی کو ہم تباہ و برباد کرتے ہیں۔

پس ساری قوم کی ہلاکت، بستی کے ان شرارت پسند خوش حال اور عیش پرست افراد کی وجہ سے ہوتی ہے جو قوم کی سرداری کا دعوئی کرتے ہیں جو اپنی بداعمالیوں سے قوم میں بداعمالی کو فروغ دیتے ہیں اور جو قوانین خدا کے سامنے اکڑ جاتے ہیں اور دنیاوی عیش و عشرت میں ساری قوم و ملک کا بیڑا غرق کر دیتے ہیں۔

تم قوموں کے اسباب زوال پر غور کر جاؤ ایک ایک تباہ شدہ قوم کے حالات پڑھ جاؤ، ہر جگہ تم کو یہی نظر آئے گا کہ قوم نے چند ارباب اثر و رسوخ کے پیچھے پڑ کر اپنی تباہی مول لی اور نااہل سرداروں، بدباطن سرمایہ داروں اور حرام کار لیڈروں کی اتباع سے برباد ہو گئی۔

اگلوں کے قصے پچھلوں کے لئے عبرت ہوتے ہیں پس تم بھی غور کرو، واقعات کی روشنی میں دیکھو کہ تمہاری موجودہ ہلاکت و بربادی کا سبب بھی کہیں یہی تو نہیں ہے۔ تم نے بھی اپنے بڑوں کی اقتداء کر کے خدا کی ناراضگی تو مول نہیں لی ہے؟۔

☆☆☆☆☆

صلاحیت اور فساد کا سرچشمہ

دل ایک سرچشمہ ہے، جس سے تمام اعضاء اور ان کے حرکات وسکنات سیراب ہوتے ہیں، اس لئے دل کی کیفیات سے سارے جوارح اور ان کے کردار متاثر ہوتے ہیں۔

آدمی خواہ چلتا پھرتا ہو، کھانے پینے میں کوئی کمی نہ کرتا ہو اور ہنسی خوشی سے رہتا ہو لیکن اگر اس کا دل غمگین ہے تو اس کی زندگی کا ہر پہلو زخمی نظر آئے گا، اگر بیمار ہے تو ظاہری سلامتی محض ایک سراب ہے، اور اگر اس کا دل خوشی اور مسرت کا گہوارہ ہے تو اس کے سارے افعال قوت نظر، شعور وفکر، جذبۂ حیات اور معیار زندگی سرور وکیف میں ڈوبے ہوئے ہوں گے، اس کی نظر بلند حوصلہ، دعوت سرور اور رفتار وگفتار پیام شادمانی ہوگی، یعنی دل کی صلاحیت حقیقی صلاحیت ہے اور دل کا فساد عمومی فساد ہے۔

اذا صلح القلب صلح الجسد کله واذا فسد القلب فسد الجسد کله ۔	دل کی صلاحیت سے تمام جسم میں صلاحیت پیدا ہوتی ہے اور اس کے فساد سے سارا جسم فاسد ہوتا ہے۔

اسی لئے دلی کیفیات اور نیات کے مطابق اعمال جوارح کے ثمرات ونتائج مرتب ہوتے ہیں، "انما الاعمال بالنیات"۔

یعنی اگر دل کے ارادوں کا انعقاد صلاحیت پر ہوا ہے تو اعضاء کے اعمال وحرکات میں صلاحیت ہوتی ہے اور اگر ان کا ابھار جذبۂ فساد کی بناء پر ہوا ہے تو ان کے نتائج یقینا فاسد اور

مہلک ہوتے ہیں، پس کسی کام کے بعید نتیجہ پر غور کرنے سے پہلے دل کے قریبی گوشوں پر نظر ڈالنی چاہئے۔

زندہ ہیں وہ افراد اور قومیں جن کے دلوں میں زندگی موجزن ہے اور مردہ ہے جاندار لاشوں کا وہ ڈھیر جس کا دل مردہ ہے، صالح ہیں خدا کے وہ بندے جن کے دل صلاحیت کی سرخوشی سے معمور ہیں، اور فاسد ہیں انسانی طبقات کے وہ عناصر جن کے دل فساد کی جڑیں ہیں۔

اس لئے ملکی، سیاسی، مذہبی، انفرادی اور اجتماعی زندگیوں کے اعمال کا جائزہ لینے سے پہلے تم خود اپنے دل کا محاسبہ کرو کہ تمہارے جوف میں کتنے دل ہیں جو صلاحیت کی آبیاری سے سرسبز ہیں اور کتنے ہیں جو فساد کی جڑ ہیں، اس کے بعد اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے عملی گوشوں پر نظر ڈالو کہ نتائج وثمرات کے لحاظ سے تم کہاں تک کامیاب یا ناکام ہو۔

☆☆☆☆☆

مصلحین اور مفسدین

ایمان اور عمل صالح اسلام میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں درحقیقت اسلام کا ماحصل عقائد توحید کی پختگی اور اعمال صالحہ کی زیادتی ہے، قرآن مجید میں غور کرلو ﴿ان الذین امنوا﴾ کے ساتھ ساتھ ﴿عملوا الصالحات﴾ کا لفظ اکثر و بیشتر جگہ موجود ہے۔ یہی دو جوہر ہیں جو انسان کو "کرامت" کے خصوصی شرف کا مالک بنا کر دنیا کے لئے نمونۂ عمل بنادیتے ہیں پھر یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ ایمان اور عمل صالح کی متاع گرانمایہ رکھنے والا ان بدنصیب لوگوں کی حرکات پر اتر آئے جو اس دولت سے یکسر محروم ہیں جن کے پاس نہ ایمان کی دولت ہے نہ عمل صالح" کا خزانہ! بلکہ وہ سراسر بے مایہ ہیں، پس ایک طرف ایماندار "صالحین" کی جماعت ہے اور ایک طرف کافر "مفسدین" کی جماعت، یہ دونوں جماعتیں اپنے اپنے مقاصد کے لحاظ سے بالکل جدا ہیں، ایک کا سرمایۂ حیات نیکی و خوش بختی، دوسرے کی متاع زندگی برائی اور حرمان نصیبی، ایک کا مقصد ہے دنیا میں امن و امان قائم رکھنا، مخلوق کو آرام کی دولت سے مالا مال کرنا اور خدا کی مرضی کا اتباع کرتے ہوئے انسانوں میں نیک سلوک کی راہ پیدا کرنا اور دوسرے کا مقصد دنیا میں شر و فساد برپا کرنا، امن و امان کو فساد کی نذر کردینا خدا سے بغاوت کر کے انسانوں میں سرکشی و تمرد کی وباء پیدا کرنا، اور خدا کی زمین پر فساد کرنا ہے۔

یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ ان دونوں جماعتوں کے اعمال ایک قسم کے ہوں، نہ مفسدین سے

اعمال صالحہ کا صدور ہوسکتا ہے اور نہ مصلحین مفسدانہ حرکات کے مرتکب ہوسکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ام نجعل الذین امنوا وعملوا الصلحت کالمفسدین فی الارض ام نجعل المتقین کالالفجار﴾

کیا ہم ایماندار صالحین کو ان لوگوں کی طرح بنا سکتے ہیں جو زمین میں فساد کرتے رہتے ہیں یا ہم متقیوں کو فاجروں کے مثل بنا سکتے ہیں۔

پس دنیا کے مفسدین فی الارض فتنہ و فساد سے اپنا منہ کالا کریں اپنے اعمال بد کی نحوست سے انسانوں کی آبادی میں شقاوت کی وبا پھیلائیں اور اپنی ذلیل حرکتوں سے بے عزتی کا ثبوت دیں، لیکن صالحین ان کا جواب ان کے مثل ہو کر نہیں دے سکتے، وہ بھی ان کی طرح ذلیل حرکات نہیں کرسکتے کیوں کہ ان کے خدا نے ان کو بہت اونچا مقام دیا ہے ان کو دنیا میں نمونۂ خیر بنا کر بھیجا ہے۔

پس مفسدین کی اصلاح ان صالحین و مصلحین کا کام ہے، وہ ہر امکانی کوشش سے ان کو درست کریں گے خود ان کی طرح نہیں بن جائیں گے۔

☆☆☆☆☆

فساد کی سزا

قوم میں برائی کے جراثیم برے ذمہ داران قوم سے پیدا ہوتے ہیں ارباب اقتدار کی حرام کاری کے باعث ساری سوسائٹی حرام کاری کی مرتکب ہو جاتی ہے، جب ارباب اثر ورسوخ کھل کر برائی پر اتر آتے ہیں، تو عوام بھی ان کی دیکھا دیکھی اس لعنت میں گرفتار ہو جاتے ہیں اور بلا جھجک برائی کرنے لگتے ہیں، انجام یہ ہوتا ہے کہ پوری قوم اجتماعی برائی میں مبتلا ہو جاتی ہے اور جب حرام کاری سوسائٹی میں جگہ پکڑ لیتی ہے تو پھر وہ عیب نہیں بلکہ ایک فن سمجھی جاتی ہے اسکا نام کچھ اور پڑ جاتا ہے، جس کی وجہ سے قوم کے ذہن میں برے تخیل کے بجائے اس کے متعلق اچھے خیالات پیدا ہو جاتے ہیں مثلاً آج کل جھوٹ بولنا، افتراء باندھنا، بدزبانی کرنا، قوم کے بااثر لوگوں کا بہترین فیشن ہے جو ذمہ دار جتنا ہی جھوٹ کا طوفان اٹھائے اتنا ہی کامیاب ہے، جو مالدار جتنا ہی بدزبان، بہتان طراز ہے اتنا ہی بڑا فاتح ہے، جو خاندان کا ذمہ دار محلہ میں لڑائی جھگڑے اور فتنہ انگیزی میں جتنا آگے ہے اتنی ہی اس کی ساکھ بیٹھی ہے۔

اب یہ چیزیں عیب اور بری نہیں، بلکہ اچھائی اور ہنر ہیں، کیونکہ جھوٹ سیاست بن گیا ہے، افتراپردازی کا نام چالاکی ہے اور فساد کے معنی غلبہ کے ہیں، ان برائیوں میں قوم کے افراد مبتلا ہیں اور ان کو یہ خیال بھی نہیں رہا کہ یہ چیزیں بری ہیں اسلامی تعلیم کے خلاف ہیں اور مسلمان کے لئے باعث شرم و عار ہیں، قوم دیکھتی ہے کہ اس کے ارباب حل وعقد دل کھول کر

ان کاموں کو کر رہے ہیں، لہٰذا اب ان حرام کاریوں کی حرام کاری ذہنوں سے نکل گئی ہے، اور ہنرمندی، چالاکی اور فتح وظفر بن کر اس کی جڑ راسخ ہو چکی ہے۔

پس قوم کے اس اجتماعی جرم کے اصل مجرم وہی لوگ ہیں جو ان برائیوں کا سرچشمہ ہیں اور قدرت کی طرف سے اس کردنی کی سزا انہی کو ملے گی اور معرکۂ احتساب میں وہی جوابدہ ہوں گے، قرآن حکیم کا ارشاد ہے:

﴿ انّ الذین یحبون ان تشیع الفاحشة فی الذین امنوا لھم عذاب الیم فی الدنیا والآخرة ﴾

جو لوگ مسلمانوں میں برائیوں کا پھیلانا پسند کرتے ہیں ان کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ برائی کرنے والے عوام پکڑے نہیں جائیں گے، برائی ہر حال میں برائی ہے اور اس کی سزا ہر کرنے والے کو یقیناً ملے گی، لیکن ذمہ دارانہ حیثیت سے وہ لوگ جوابدہ ہیں جن کے اثر واقتدار کی وجہ سے عوام میں برائی پھیلتی ہے محلہ کے سردار گاؤں کے چودھری اور مزدوروں کے مالک سوچیں اور اپنی ذمہ دارانہ زندگی کو جواب دہی سے بچانے کی کوشش کریں۔

☆☆☆☆☆

اجتماعی جرم کی سزا

خدا کی نافرمانی حقیقت میں اس فطرت انسانی کی خلاف ورزی ہے جس پر خدا نے انسانیت کو پیدا کیا ہے، لیکن جب تک نافرمانی انفرادی طور سے سرزد ہوتی ہے تو وہ بندے اور خدا کے درمیان کا معاملہ ہے۔

جو کبھی توبہ سے معاف ہو جاتی ہے، اور کبھی اس کی سزا بھگتنی پڑتی ہے، لیکن جب یہی نافرمانی اجتماعی شکل اختیار کر لیتی ہے، تو پھر وہ جرم بغاوت بن جاتی ہے، اس وقت قوم اور بستی کو اس کی سزا بھی بھگتنی پڑتی ہے، جس کا نتیجہ تباہی و بربادی ہوتا ہے۔

جب یہ عمومی بغاوت رونما ہوتی ہے تو خدا کا کوئی رسول آتا ہے، بستی اور قوم کو خدائی احکام سناتا ہے چنانچہ اگلے زمانے میں ایک ایک بستی کے لئے ایک ایک قوم کے لئے، ایک ایک اجتماعی گناہ کے لئے خدا نے انبیاء ورسل مبعوث فرمائے جنہوں نے سمجھایا، ڈرایا، اور باز رکھنے کی کوشش کی، اگر مرض قابل علاج تھا تو علاج ہوا، قوم راہ راست پر آئی اور نجات ملی اور اگر مرض حد علاج سے گذر گیا تھا تو پھر ایسی حالت میں اجتماعی بغاوت کی سزا اجتماعی بربادی سے دی گئی:

﴿ وکاین من قریة عتت عن امر ربها ورسله فحاسبنها حساباً شدیداً وعذبنها عذاباً نکرا ﴾

بہت سی بستیوں نے جب خدا اور اس کے رسولوں کی باتوں سے روگردانی کی تو ہم نے ان کا سخت محاسبہ کیا اور نہایت کریہہ قسم کا عذاب دیا۔

پس جب قوم کی قوم اور بستی کی بستی کسی گناہ میں شریک ہو اور تمام لوگ خدا کی نافرمانی

کر رہے ہوں تو یہ بغاوت ہے خدا سے قانون قدرت سے اور فطرت کے اصولوں سے اگر کسی ایک گناہ میں پوری قوم اور بستی مبتلا ہو تو یقین کر لو کہ اسے خدا کے عذاب سے دوچار ہونا پڑیگا۔

دیکھ لو! جھگڑا اور لڑائی کہاں اور کس قوم میں نہیں ہوتی، مگر جب تک اس میں قوم کے کچھ افراد مبتلا ہوتے ہیں اس وقت تک قوم اور بستی کیلئے کوئی خطرناک صورت رونما نہیں ہوتی اور جن بستیوں میں جنگ وجدال، لڑائی جھگڑا عمومی صورت اختیار کر لیتا ہے اور پوری بستی اس کا شکار ہو جاتی ہے تو پھر بتاؤ اس حالت میں کسے سکون نصیب ہوتا ہے اور کون چین کی نیند سوتا ہے؟

بے عمل اور کاہل افراد کس قوم میں نہیں ہوتے؟ مگر جو بستی ساری کی ساری بے عمل ہو اور قوم کی قوم اس مرض میں مبتلا ہو جائے تو قوم سے قوت اقدام ختم ہو جاتی ہے اس کے تمام اجزاء میں سستی اور کاہلی سرایت کر جاتی ہے اور پھر یہ قوم اپنی موت آپ مر جاتی ہے۔

مسلمان غور کریں کہ آج پوری قوم میں کتنی ایسی خرابیاں ہیں جو اجتماعی طور سے ہو رہی ہیں، اور کتنے ایسے گناہ ہیں جنہیں لوگ کر رہے ہیں اور ان کو گمان تک نہیں ہوتا کہ یہ کوئی گناہ ہے یہی ارتکاب اور یہی ناسمجھی قوم کی تباہی کا حقیقی سبب ہوتی ہے، اور اسی وجہ سے قومیں تباہ وبرباد ہو چکی ہیں۔

اپنے رواج ورسوم کو دیکھ لو، آج شادی بیاہ کی رسمیں، موت وپیدائش کی تقریبات، تہواروں کے مراسم، ان میں سے کون سی چیز ایسی نہیں ہے جس کی جڑ شرک وکفر سے نہیں ملتی اور کفار کے میل جول سے ہمارے اندر نہیں آئی، مگر ہمارے دل میں کبھی خیال بھی نہیں گذرا کہ اس کی جڑ برائی سے ملتی ہے اس کا سرچشمہ کافرانہ طور طریقہ ہے، بلکہ ان غیر دینی طریقوں کو ہم جزو دین سمجھ کر کر رہے ہیں، یعنی اب ان برائیوں کو ہم نے اچھائیوں کا لباس پہنا دیا ہے، یہی ارتکاب معصیت اور ناسمجھی ہے۔

☆☆☆☆☆

طبقاتی کشمکش کا حل

اسلام'' انسانی نظام حیات'' کا ایک مکمل پروگرام ہے، جس میں ہر گروہ، ہر طبقہ اور ہر فرد کے لئے اس خوبی سے اصول مقرر کئے گئے ہیں کہ اجتماعی زندگی کے تناسب وتوازن میں کوئی فرق نہ آنے پائے، اور آپس میں افراط وتفریط کے لئے کوئی راہ نہ پیدا ہو۔

اس توازن کے بقاء وتحفظ کے لئے اسلام دنیا میں ہمیشہ کامیاب مذہب کی حیثیت سے نمایاں رہا ہے اور آئندہ بھی اگر دنیا کی قومیں اس کے اصول پر کاربند ہوں تو کامیاب وکامران ہوکر زندگی بسر کرسکتی ہیں۔

امیری وغریبی کا طبقاتی فرق ایک حد تک فطری امر ہے، انسانی آبادی میں ایک فرد مالدار ہے دوسرا غریب، ایک کے پاس دولت وثروت کی بہتات ہے، دوسرے کے پاس غربت وافلاس کا سرمایہ!

ایسی حالت میں ناممکن ہے کہ آپس میں طبقاتی سوالات نہ پیدا ہوں اور پھر وہ بستی میں فتنہ وفساد اور انارکی کا باعث نہ بن جائیں اس لئے اسلام نے اولاً تو اپنے ہر پیرو کو دنیا میں محنت کرنے روزی کمانے اور اپنے ذریعۂ معاش کو زیادہ سے زیادہ وسیع کرنے کی تعلیم دی، تاکہ مسلمان عزت وفارغ البالی کی زندگی بسر کرسکیں، اور سکون واطمینان سے اپنے خدا ورسول کے احکام واوامر پر کاربند ہوں، لیکن جب تک حالات مساوی نہ ہوں اور امیری وغریبی کی خلیج بیچ میں حائل ہو تو کیا مسلمان آپس میں جنگ شروع کردیں؟ بستی کا امن وامان

چند غریبوں کے ہاتھوں امیروں کی وجہ سے تباہ وبرباد کردیا جائے اور اسلامی زندگی کا شیرازہ درہم برہم کردیا جائے؟ نہیں! ایسا کرنا اسلام کی تعلیم کے خلاف ہے، اس نے اس نازک مرحلے کے لئے ایسی راہیں بتائی ہیں جن پر چل کر انسان ملکی فتنہ وفساد وطبقاتی جنگ وجدال اور امیری وغریبی کی چپقلش کی نبرد آزما ہلاکت آفرینیوں سے بچ سکتا ہے۔

اسلام دونوں طبقے کے لئے ایسے قوانین واصول مرتب کرتا ہے کہ امیر وغریب میں توازن قائم رہے اور کوئی ناگوار صورت نہ پیدا ہو کہ آپس میں لڑ کر اجتماعی قوت ختم ہوجائے۔

امیروں کو اسلام نے بتایا کہ تم مالداری پر غرور نہ کرو، یہ نہ سمجھو کہ تم دولت کے مالک بن گئے ہو اور خدائی تمہارے ہاتھ میں آگئی ہے تم جو چاہو جیسے چاہو اور جب چاہو کرو، بلکہ سن لو!

انما ترزقون بضعفاء کم بصلوٰتهم و اخلاصهم ،

تم کو جو روزی ملتی ہے تو تمہارے غریبوں اور کمزوروں کی نماز واخلاص کے صدقہ میں ملتی ہے۔

غریبوں اور ضعیفوں کے متعلق فرمایا گیا کہ تمہارے نیچے بھی غریب ہیں تم ان کی حالت کو دیکھو اور غور کرو کہ خدا نے ان کو تم سے زیادہ محتاج بنایا ہے اس کا احسان ہے کہ تم ان سے اچھی حالت میں ہو، بڑوں اور مالداروں سے اپنی حالت کا مقابلہ نہ کرو تاکہ تمہیں اپنی موجودہ زندگی کی قدر رہو اور خدا کی نعمت کو پہچانو، اور دوسروں سے جنگ کرنے کی بجائے خدا کا شکر ادا کرو کہ اس نے تم کو دوسرے سے بہتر بنایا ہے۔

انظروا الی من هو اسفل منکم ولا تنظروا الی من هو فوقکم فهو اجدر ان لا تذدروا نعمة الله علیکم

اپنے سے نیچے والوں کو دیکھو، اپنے اوپر والوں کو نہ دیکھو اس لئے کہ اس سے خدا کی نعمتوں کی قدر معلوم ہوگی، اور اس کی نوازشوں کی ناقدری نہ کروگے۔

فقیر کون ہے؟

انسانی طبقات میں امیری اور غریبی ایک فطری امر ہے، جو ہمیشہ سے چلا آتا ہے اور ہمیشہ رہے گا لیکن جس طرح انسان نے ہمیشہ اور باتوں میں اگلی ہوں یا پچھلی اپنی کیفیت بدلنے کی کوشش کی ہے، اس معاملے میں بھی اس نے ایک حقیقت کو چھپا کر دوسری حقیقت کے ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے۔

لوگوں پر ایک نظر کر جاؤ، کتنے مالدار ہیں جو غریب بنتے ہیں، کتنے سرمایہ دار ہیں جو افلاس کا رونا روتے ہیں اور کتنے شکم سیر ہیں جو سڑکوں پر ہاتھ پھیلائے ہوئے گداگری کرتے ہیں، لیکن جس طرح اپنی صورت مسخ کرنا گناہ ہے، مرد کا زنانہ صورت اختیار کرنا معیوب ہے، اور خدا کی پیدا کی ہوئی شکل میں تبدیلی پیدا کرنا فطری منشاً کے خلاف ہے، اسی طرح افلاس کا اظہار ایک گناہ ہے، دست سوال پھیلانا معیوب ہے اور خدا کی بخشی ہوئی نعمت کو چھپا کر ناشکری کرنا کفر ہے۔

بے شک مسکینوں کی امداد موجب برکت ہے، غریبوں کی خبر گیری انسانی فریضہ ہے اور سوسائٹی کے بے کس افراد پر نگاہ کرم کرنا فرض ہے اور اسلام نے تو اس کو اپنی تعلیمات کا اہم حصہ قرار دیا ہے، لیکن مسکین کون ہے جس کی امداد کی جائے غریب کون ہے جس کی خبر گیری اہم ترین فریضہ ہے؟ حدیث کے الفاظ میں سنیے:

لیس المسکین الذی یطوف علی الناس ترده اللقمة و اللقمتان والتمرة والتمرتان ولکن المسکین الذی لا یجد غنی یغنیه ولا یفطن به فیتصدق علیه ولا یقوم فیسال الناس،

مسکین وہ شخص نہیں ہے جو لوگوں میں گھوم گھوم کر سوال کرتا ہے اور دو دو ایک ایک لقمے کے لئے پھیرا لگاتا ہے بلکہ حقیقی مسکین جو قابل امداد ہے وہ شخص ہے جسے اتنی وسعت نہیں کہ بے نیازی سے زندگی گذارے اور اس کی اس حالت کا لوگوں کو علم بھی نہ ہوتا کہ صدقہ وخیرات سے اس کی خبر گیری کی جائے اور وہ شرم وحیا کی وجہ سے خود بھی لوگوں میں جا کر دست سوال دراز نہیں کرسکتا۔

افسوس کہ مسلمانوں میں جہاں اور بہت سی خرابیاں پیدا ہوئیں وہاں یہ مرض بھی ان میں عام ہے کہ جہاں کہیں کسی مسلمان کو ضرورت پڑی اور بروقت معاملہ نہ بن سکا اس نے فقیری لے لی، شہر در شہر سوال کرنے لگا، گلی کوچوں میں چکر کاٹ کر اپنی بے غیرتی اور بے عزتی کا ثبوت دینے لگا، تم لاہور شہر کے باغوں میں، راستوں پر، دیکھ لو یہ جھنڈ کے جھنڈ کس گروہ کے افراد ہیں جن کی زندگیاں لوگوں کی جیبوں کے سہارے پل رہی ہیں اور جنہوں نے اپنا دل ودماغ اپنی قوت ولیاقت قوم کی نگاہ کرم پر وقف کر دی ہے، حالانکہ ان میں نوے فی صدی وہ لوگ ہوتے ہیں جو واقعی محتاج نہیں بلکہ بطور فیشن اور تن آسانی کے یہ پیشہ اختیار کئے ہوئے ہیں۔

ضرورت ہے کہ اس قسم کے لوگوں کو مجبور کیا جائے کہ وہ عزت وشرافت کی زندگی بسر کریں اور یہ ذلیل حرکت چھوڑ کر اپنی صلاحیت سے ملک وقوم کو فائدہ پہنچائیں۔

☆☆☆☆☆

عدل وانصاف

انسان کا کردار اس کے ضمیر کا آئینہ ہے، وہ جو کچھ کرتا ہے اندرونی تقاضے کی تکمیل کے لئے کرتا ہے پس اگر دل کی کائنات آلائشوں سے پاک ہے تو اس کے افعال بھی پاکیزہ اور ستھرے ہوں گے اور اگر اس کا ضمیر خباثتوں کا مرکز ہے تو جو کام کرے گا ناروا اور گھناؤنا ہوگا۔

مسلمان اپنی اندرونی کیفیات کے لحاظ سے دنیا میں ممتاز حیثیت کا مالک ہے اس کا دل پاک ہے اس کے ارادات وجذبات نہایت لطیف اور پاکیزہ ہوتے ہیں لہٰذا مسلمان کا ہر فعل اور اس کی ہر حرکت طہارت وپاکیزگی کی دلیل ہے مسلمان کی شناخت کے لئے کسی آلہ کی ضرورت نہیں، اس کا وزن معلوم کرنے کے لئے کسی ترازو کی حاجت نہیں ہے بلکہ اس کے افعال وکردار شاہد ہیں، اس کی حرکت دلیل ہے، اسی وجہ سے قرآن نے عقائد کے ساتھ اعمال واخلاق کی بھی یکساں تعلیم دی ہے۔

چونکہ مسلمان دنیا میں اجتماعی زندگی کی پاکیزگی اور برتری کا داعی ہے اس لئے وہ مکلف ہے کہ پہلے خود ایسے اعمال پر کاربند ہو جنہیں دنیا والے دیکھ کر اس کی دعوت کی سچائی اور ہمہ گیری کو سمجھ سکیں۔

یہی وجہ ہے کہ اسلامی تعلیمات کا عملی اور اخلاقی گوشہ تنگ نہیں بلکہ اس کا برتاؤ ہر قوم، ہر ملک، اور ہر مذہب والے کے ساتھ بلا کسی جماعتی یا ملکی امتیاز کے یکساں ہونا چاہئے کوئی فرد یا قوم دشمن ہو یا دوست، اپنا ہو یا بیگانہ، آشنا ہو یا ناآشنا، اسلامی اخلاق سب کے لئے عام

ہے سب سے ایک ہی قسم کا سلوک کیا جائے اور یہی حقیقی اسلامی تعلیم ہے یہی اصل تقویٰ ہے اور یہی مسلمان کی دنیا میں کامیابی کا راز ہے۔

﴿لا یجرمنکم شنان قوم علیٰ ان لاتعدلوا اعدلوا هو اقرب للتقوی﴾

کسی قوم کی دشمنی اس کے ساتھ ناانصافی پر تم کو آمادہ نہ کردے بلکہ اسکے ساتھ بھی انصاف کرو یہی چیز تقویٰ ودیانت کے قریب ہے۔

عدل وانصاف ایک ایسی معیاری چیز ہے جس سے آدمی کا حقیقی وزن اور اس کی اندرونی کیفیت معلوم ہو سکتی ہے اگر کسی کا انصاف بے لوث ہے، واقعی وہ عدل وانصاف کا دلدادہ ہے اور انصاف کو اپنے لئے واجب سمجھتا ہے تو کسی حال میں اس سے باز نہیں رہ سکتا، چاہے کوئی دشمن ہو چاہے دوست یہ اس کا ذاتی معاملہ ہے، دشمنی اور دوستی کی میزان پر عدل وانصاف کو ہرگز تول نہیں سکتا بلکہ وہ اپنے ایمان ودیانت سے مجبور ہوگا کہ انصاف قائم رکھے، یہ اجتماعی معاملہ ہے اس کے اسلام کا تقاضا ہے اور اس کی دعوت کی حقیقی روح ہے، اگر ذاتی اغراض کے ماتحت انصاف نہ کر سکا تو دیانت وتقویٰ پر حرف آتا ہے مذہبی حدود سے دوری ہو رہی ہے۔

پس تم بھی غور کرو کہیں اس بلا میں گرفتار تو نہیں ہو؟ کہ کسی خارجی جذبہ سے مغلوب ہو کر عدل وانصاف کو چھوڑ رہے ہو اور تقویٰ ودیانت سے قریب ہونے کے بجائے دور تو نہیں ہو رہے اگر ایسا ہو رہا ہے تو تم کو کیا کرنا چاہئے۔

☆☆☆☆☆

افواہ

جس طرح اچھی باتیں انسان کے لئے تمام چیزوں سے زیادہ مفید ہیں، اسی طرح بری باتیں اس کے لئے شدید ترین نقصان دہ ہیں، جھوٹ کا برا اثر خود بیان کرنے والے پر پڑتا ہے مگر اس سے زیادہ برا اثر سننے والوں پر پڑتا ہے، اسی لئے اسلام نے بات کے کہنے اور سننے میں بڑی احتیاط کی تعلیم دی ہے۔

اگر غور کرو گے تو تمہیں معلوم ہو جائیگا کہ موجودہ فتنہ وفساد میں افواہوں کو بڑا دخل ہے، ایک فسادی شخص سارے شہر میں فساد کی آگ لگا دیتا ہے، اور سننے والے دم کے دم میں سکون واطمینان کی جنت سے نکل کر شر وفساد کی جہنم میں جھلسنے لگتے ہیں۔

شرارت پسند عناصر، بدطینت طبیعتیں اور بدکردار افراد اکثر جھوٹی باتیں کہہ کر بے گناہوں اور معصوموں کو عذاب میں مبتلا کر دیتے ہیں کہ انہوں نے ان بدمعاشوں کی باتوں کو سن کر کیوں یقین کرلیا، ان کے لئے ضروری تھا کہ پہلے تحقیق کر لیتے کیوں کہ بدکار لوگوں کی باتیں بھی بدکاری کے لئے ہوتی ہیں، وہ کبھی کوئی بات کہیں تو تصدیق کرنے سے پہلے بطور خود اس بات کی تحقیق کر لینی چاہئے۔

اسی حقیقت کے پیش نظر اسلام نے مسلمانوں کو تعلیم دی ہے کہ :

﴿ ان جاء کم فاسق بنبأ فتبینوا ﴾

اگر کوئی بدکار تم سے کوئی بات بیان کرے تو سن کر یقین نہ کر لیا کرو بلکہ خود اس کی تحقیق کرلو۔

اگر افواہوں پر توجہ نہ کی جائے بلکہ انہیں سن کر حقیقت حال کا پتہ لگایا جائے تو کیا مجال کہ بھائی بھائی میں برادری میں، شہر میں، محلے میں، اور ملک میں سر پھٹول ہو، دست وگریبانی کی نوبت آئے، ہمسایوں کے خون سے ہاتھ رنگین ہوں اور عمر بھر کا اتحاد واتفاق چند منٹوں میں اس طرح ختم ہو جائے کہ ایک دوسرے میں ازلی دشمنی کی بنیاد پڑ جائے۔

پس سنی سنائی باتوں کو قابل التفات قرار دے کر ہنگامے برپا نہ کئے جائیں بلکہ ہر بات کی تحقیق کر لی جائے، زمانہ فساد کا ہے ہر طرف کچھ نہ کچھ لگائی بجھائی کرنے والے ہوتے ہیں اور ان کی صورت عام انسانوں سے جدا نہیں ہوتی بلکہ لوگوں کی طرح وہ بھی ہوتے ہیں، کبھی فتنہ پردازی تنہا کرتے ہیں کبھی منظم سازش کر کے لوگوں کو لڑانے کی کوشش کرتے ہیں، اس لئے دانش مندی یہ ہے کہ ہر قسم کی افواہوں سے بچا جائے اور ہر بات کی تحقیق کر لی جائے۔

☆☆☆☆☆

سردار کون ہے

جب قومیں اپنی خصوصیات اور روایات بھول جاتی ہیں تو اپنے اعلیٰ مقام سے نیچے آ کر ہر نچی چیز کو اعلیٰ سمجھنے لگتی ہیں اور اپنا منتہائے کمال اسی کو قرار دیتی ہیں اور اس کو اس طرح معیاری اہمیت دیتی ہیں کہ ان کی نگاہ اس سے بلندی کی طرف اٹھتی ہی نہیں۔

آج کل کے مسلمانوں کی مثال سامنے ہے، جس قوم کی شاندار روایات دنیا میں بلندی اور برتری کے لحاظ سے نمایاں تھیں وہ قوم اب کن معمولی معمولی باتوں کو غلطی سے اپنا معیار بنائے ہوئے ہے۔

امتیاز کی قوت سلب ہو جانے کے بعد کس طرح ناقص چیز کو اکمل سمجھ رہی ہے، اور سراسیمگی کے عالم میں معمولی سے معمولی چیز کو وزنی محسوس کر رہی ہے۔

مسلمان کا شیوہ تھا کہ وہ غیر شرعی لوگوں کو مقام سیادت نہیں دیتے تھے، فاسق وفاجر مسلمان کے رہنما اور سردار نہیں بنائے جاتے تھے، مگر آج دیکھ لو کہ مسلمان ہر شعبہ زندگی میں غیر اسلامی اصول اور غیر اسلامی لوگوں کے محتاج بنے ہوئے ہیں۔

یہ قحط الرجال ہے یا ''اللہ کا غضب'' کہ آج مسلمانوں میں وہی شخص جسے دین سے مطلب نہیں، جو در پردہ نہیں بلکہ علی الاعلان اسلام کے خلاف چل رہا ہے، لیکن مسلمان کی سیادت کا سہرا اسی کے سر ہے اور سیاہ وسفید اسی کے قبضے میں ہیں جن لوگوں نے اپنی پیشوائی غیر اسلامی زندگی کے سپرد کی ہے ان کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی سنو:

عن بريدة رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تقولوا للمنافق سيد ، فانه ان لم يكن سيداً فقد اسخطتم ربكم عزوجل ،

منافق آدمی کو سردار مت کہو کیوں کہ اگر وہ سردار نہ ہوگا اور یقیناً نہیں ہے، تو اس حرکت سے تم اپنے رب کو ناراض کردو گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی تمہارے سامنے ہے اور تمہارے حالات بھی پیش نظر ہیں، پس غور کرو اور اندازہ لگاؤ کہ زندگی کے کس کس شعبہ میں تم غیر شرعی لوگوں کی سیادت اور سرداری کے قابل ہو۔

جو شخص شریعت حقہ سے ہٹا ہو، وہ مسلمانوں کا بڑا نہیں بن سکتا اگر دین دار مسلمان ایسا کریں گے تو وہ اپنے اللہ کو ناراض کریں گے۔

تمام مسلمانوں کا معتمد اور رہنما ایسا مسلمان ہو سکتا ہے جو اپنے اسلامی کردار کے لحاظ سے سب میں امتیازی شان کا مالک ہو اور اس کی یہ شان مسلمانوں کی سرداری اور رہنمائی کا وارث بنائے گی۔

☆☆☆☆☆

علماءسوء

کسی چیز میں بنیادی خرابی اس کے ذمہ دار افراد کی غیر ذمہ دارانہ روش سے پیدا ہوتی ہے، اگر اغیار اس میں رخنہ انداز ہوں تو اتنی ہلاکت آفرینی نہیں ہوتی جتنا کہ خود اس کے محافظین اور معاونین کی غفلت سے اس میں نقص آتا ہے۔

علماء اسلام کے محافظ اور اس کے معاون بنائے گئے ہیں، زبانِ رسالت نے ان کو ''العلماء ورثة الانبياء'' کا بلند ترین مقام عطا فرمایا، اور جب تک یہ علماء اپنے فرائض کا احساس کرتے رہے حقیقی معنوں میں دین اسلام کے معاون ومحافظ رہے لیکن جب کبھی انہوں نے ٹھوکر کھائی تو اس بری طرح گرے کہ ملت بیضاء کے تاباں ستون پر انہوں نے ضرب لگائی تاریخ شاہد ہے، واقعات گواہ ہیں اور حالات بول رہے ہیں کہ ان ''علماءسوء'' کی بدکاریوں نے دنیا میں اسلام کو بدنام کرنے میں بڑی مدد دی ہے۔

دور کیوں جاؤ، دیکھو! واقعات تمہارے سامنے ہیں اور حقیقتیں زبان حال سے بول رہی ہیں کہ ان ہی علماءسوء نے ترکی سے اسلام کی حقیقی روح بڑی حد تک ختم کردی آج ترکی میں اسلام کے متعلق جو کچھ تم سنتے ہو وہ صحیح ہو یا غلط لیکن بہر حال انہی ملت فروشوں اور ناموس اسلام پر دھبہ لگانے والوں کا یہ ردعمل ہے، انقلاب روس کے بعد سرزمین بخارا اور اسکے حدود میں اسلام کی تباہی کی ذمہ داری ان ہی مفتیان اسلام پر ہے جو سرخ بجلی کی چمک میں اپنی شاخ بدعملی پر پڑے، چین سے اسلام دشمنی کا راگ گا رہے ہیں اور دوسری طرف ''علماءحق''

سرزمین روس سے جس طرح تباہ وبرباد ہوکر بھاگے، پھانسی کے تختوں پر لٹکے اور اسلام کے نام پر قربان ہوگئے، اسے بھی حال کی زبان اب تک ماضی کا افسانہ نہیں بنا سکی ہے، اور خود اپنے ملک ہندوستان میں دیکھو جب اسلام کی صحیح تحریک چلی آئی اور مسلمانوں نے اپنے علماء حق کی رہبری میں اسلام کا کاروان مغربی شمالی ہندوستان کی منزل تک لے جانا چاہا تو اس کی روک کے لئے ہندوستان کے علماءسوء نکلے اور جس بری طرح اس تحریک کو ناکام کیا ہے اس کا خمیازہ مسلمان بھگت رہے ہیں بالکل سچ فرمایا ہے فداہ ابی وامی صلی اللہ علیہ وسلم نے :

هلاک امتی عالمٌ فاجرٌ وعابدٌ جاهلٌ وشر الشر شرار العلماء وخير الخير خيار العلماء (جامع بيان العلم)

میری امت کی ہلاکت کے باعث بدکار عالم اور جاہل عابد ہوں گے بدترین شر علماءسوء ہیں اور بہترین خیر علماءخیر ہیں۔

اس حدیث کو پھر پڑھو اور آج کے علماءسوء اور علماءحق کے کارناموں کو دیکھو، اگر اسلامی عقل وتدبّر سے کام لوگے اور دین کی صحیح رہنمائی کے ساتھ غور کروگے تو معلوم ہوجائیگا کہ ان نام نہاد علماء، اور مدعیان علم شریعت نے کیا کیا بے اعتدالیاں کی ہیں اور ان کی غلط روش سے امت ہندیہ ہلاکت کے کس غار میں جارہی ہے۔

☆☆☆☆☆

اسلام کے خاص قوانین مسلمانوں کیلئے

چند قوانین جوصرف مسلمانوں کے لئے ہیں:

﴿ یاایھا الذین آمنوا عیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اھتدیتم ﴾ اے اہل ایمان !تم اپنی خبر لو جب ہدایت پر قائم رہو تو کسی کی مجال نہ ہو کہ تمہیں گمراہ کر سکے۔

مسلمان کی نسبت کہا گیا ہے کہ ﴿ کنتم خیر امة اخرجت للناس ﴾ تمہارا وجود اس لئے ہے کہ لوگوں کو فائدہ پہنچاؤ اور اسی لئے تمہیں بہترین امت بنا کر بھیجا گیا ہے۔

جو قوم نہ صرف اپنے لئے بلکہ دوسروں کے لئے بھی نفع رساں ہو، اسے کون نقصان پہنچا سکتا ہے؟ تم نے نماز پڑھی، نماز پڑھ کر اپنے اعمال کی نگرانی کی کہ موت آجائے مگر جھوٹ نہ بولوں گا، پھانسی لگ جائے مگر بد دیانتی نہیں کروں گا، جان پر بن آئے مگر کسی کو جانی مالی نقصان نہ پہنچاؤں گا، کیسا ہی خطرہ پیدا ہو جائے مگر اپنے اسلامی اخلاق کو داغ نہ لگاؤں گا، راست بازی، پاکیزگی، دیانت، امانت، عفت وکرامت، بلند نظری اور عالی حوصلگی کو زندگی کا شعار بناؤں گا اور اپنی اخلاقی طاقت کو ایسی جلادوں گا کہ غیر مسلموں کو بھی اسلام سے محبت اور مسلمانوں سے رغبت ہو، اور انہیں یقین ہو جائے کہ ایک مسلمان جان دیدے گا مگر انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے گا، تو بتاؤ کس کا سر پھرا ہے کہ تمہیں دشمن سمجھے کس کا دماغ پھرا ہے کہ تمہیں نقصان دے، تمہاری اسلامی زندگی اور اسلامی اخلاق ہی تحفظ کی ضمانت ہیں، اور قرآن

تمہارے لئے نا قابل تسخیر قلعے مہیا کر رہا ہے، تم آج کل بہت نقصان اُٹھا رہے ہو اور چلاّتے ہو کہ ہم مر گئے، تو کیا اسلام کا قانون غلط ہے؟ کیا قرآن کی تاثیر بدل گئی؟ کیا دنیا پاگل ہو گئی کہ تم جیسے نیکوں کے نیک کو، برباد کرنے کی ٹھان لی، اگر تم ہدایت پر ہو تو نقصان کا اندیشہ نہیں، اگر تمہیں نقصان پہنچا ہے تو تم ہدایت پر نہیں، دوسروں کی شکایت سے پہلے تمہیں ثابت کرنا ہوگا کہ اسلام کی میزان میں تمہارا وزن ٹھیک ہے، اگر وزن ٹھیک نہیں تو نقصان کی شکایت بھی بجا نہیں، پس اگر قرآن کا یہ پیمانہ ٹھیک ہے تو پھر بربادی کے اسباب کو باہر نہیں اپنے اندر ہی تلاش کرنا چاہئے۔

قرآن کے اس قانون نے بتایا کہ مسلمان نقصان سے کس طرح بچ سکتے ہیں اب ایک دوسرا قانون یہ بتایا ہے کہ مسلمان بلند کس طرح ہو سکتے ہیں، ایک قانون نقصان سے بچاتا ہے دوسرا قانون نفع بخش تجارت کی راہ کھولتا ہے:

﴿انتم الاعلون ان کنتم مومنین ﴾ تم ہی بلند وبالا رہو گے بشرطیکہ تمہارے اندر ایمان ہو۔

بلندی؟ ہر قسم کی بلندی، سیاست اور حکومت کی بلندی، اقتدار اور طاقت کی بلندی، ایجادات واختراعات کی بلندی، عقل وفراست کی بلندی، اخلاق وخصائل کی بلندی، مشرق میں بھی بلندی اور مغرب میں بھی بلندی، مگر مفت کی بلندی نہیں وہ بلندی جس کا سر چشمہ ایمان ہو، ایمان قوی ہوگا تو عمل کی دنیا ظہور میں آئے گی، ایمان کمزور ہوگا تو عمل کا گلشن کبھی ہرا بھرا نہ ہوگا، اور جب عمل نہ ہوگا تو تعویذوں اور گنڈوں سے ہوائی جہاز بھی نہ بنے گا اور نہ ماتم حسین سے سیگفریڈ لائن تعمیر ہوگی۔

پس کچھ قانون عام ہیں کہ ان میں کافر ومومن کا کوئی امتیاز نہیں، اور دو قانون مخصوص ہیں کہ ان پر امت کی زندگی، ترقی اور کامیابی کا انحصار ہے، اور خاص وعام کی ترکیب سے جو

نتیجہ نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ اسلام نے مردم شماری کے مسلمانوں کی ترقی اور حفاظت کا کوئی ذمہ نہیں لیا۔

اسلام کا تیسرا قانون جو ہر قسم کے امتیاز سے بالاتر ہے یہ ہے:

﴿ ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم ﴾ جب تک کوئی قوم اپنی حالت کو بدلنے کی کوشش نہ کرے اللہ کو کوئی غرض نہیں کہ وہ اس کی حالت بدل ڈالے۔

یہ قانون بھی عام اور عالمگیر ہے، زمان ومکان کی قیود سے آزاد، امتیاز من وتو سے ناآشنا! اگر تم اپنی جہالت پر قانع ہو تو توقع مت رکھو کہ خدا تمہیں مولوی فاضل کا کورس پڑھادیگا، اگر تم افلاس کے شکنجے میں گرفتار ہو تو خدا سے مت کہو کہ بنک آف انگلینڈ کا ایک چیک کاٹ کر دیدے، اگر تم کمزوری اور ناتوانی سے چور ہو تو خدا کبھی یہ نہیں کرے گا کہ تمہیں مکھن اور بادام گھوٹ کر پلادے اور جسم کی مالش کے لئے آسمان سے کسی فرشتے کو مامور کردے، عزت حاصل کرنا چاہو گے تو خدا عزت دے گا، طاقت ور بننے کی کوشش کرو گے تو تمہیں توانا بنائے گا، پہلے تم کو کروٹ لینی ہوگی، پہلے تمہیں بدلنا اور حرکت کرنا ہوگا۔

مگر جس قوم کو اپنی جہالت پر فخر، اپنی کمزوری پر ناز، اپنی محکومی پر قناعت، اپنے افلاس پر اطمینان ہو اور جو غفلت کو غفلت ہی نہ سمجھے، اس کے لئے نصرت الٰہی کے تمام دروازے بند ہیں، وہ سوتا ہے تو سوتا رہے خدا اُسے جھنجھوڑنے اور بیدار کرنے نہیں آئیگا۔

ترقی یافتہ قوموں نے مسلسل سعی اور جدوجہد کے بعد اپنی حالت بدلنی چاہی خدا نے بھی ان کی حالت بدل دی۔

خدا کافر سے نہیں کہے گا کہ تو خواہ کتنی ہی کوشش کر تیری حالت نہیں بدلوں گا کیونکہ تو کافر ہے، مسلمان سے نہیں کہے گا کہ خوب سوتا رہ تیرا خادم جگانے کے لئے موجود ہوں کیونکہ تو

مسلمان ہے۔

کسی ایک قوم کو مثال میں پیش کرو، کہ اس نے کروٹ لینی چاہی مگر نہ لے سکی، یورپ نے صدیوں تک اپنی حالت بدلنے کی کوشش کی آخر اس کی حالت بدلی، ہندوؤں نے تجارت پر قبضہ کرنے کے لئے ہاتھ پاؤں مارے اور ان کا قبضہ ہوا، مسلمان سوتا رہا اس لئے اس کی حالت نہ بدلی اور ہندوؤں کو دشمن سمجھنے کے باوجود اس کے مردوں کو ہندو کارخانے کا کفن نصیب ہوا۔

﴿ صرفوا صرف اللہ قلوبھم ﴾ وہ پھر گئے خدا نے بھی ان کے دلوں کو پھیر دیا۔

اگر مسلمان چاہیں اور ان کی غیرت کو ٹھیس نہ لگے تو یہ آسمانی پیمانہ موجود ہے اپنے آپ کو ناپ کر دیکھ لیں اور آئندہ کی کچھ فکر کریں۔

☆☆☆☆☆

مسلمان کی زندگی

قوم کے افراد کی زندگی درحقیقت قوم کی زندگی ہوتی ہے، اگر افراد کے چہروں پر بشاشت، مسرت اور زندگی کے آثار نظر آتے ہیں تو یہ افراد سے زیادہ قوم کے لئے حسن و جمال کا باعث ہے، اور اگر افراد کے بشروں پر غم والم اور بدحالی کی روسیاہی نمودار ہے تو قوم کسی مہلک بیماری میں مبتلا ہے، اسی طرح اگر لوگوں کی سیرتیں بلند ہیں، قوئ مضبوط ہیں، اور اخلاق واعمال کی خوبیوں کے وہ لوگ نمونے ہیں، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی قوم اولوالعزم، جواں ہمت اور فعّال ہے، اور اگر ان لوگوں کے کیرکٹر گرے ہیں، اعمال گھناؤنے اور حرکات ناپسندیدہ ہیں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ان کی قوم بدکار، مردہ اور بدترین مخلوق ہے۔

ایک مسلمان کی زندگی کا ہر گوشہ دوسرے مسلمان کے لئے آئینہ ہے، اس کی زندگی صرف اپنی نہیں بلکہ قوم مسلم کی زندگی ہے اور وہ اپنے حرکات وسکنات کے ذریعہ اپنی ذات سے زیادہ اپنی قوم پر روشنی ڈالتا ہے، اسی حقیقت کو حدیث کے ان الفاظ میں واضح کیا گیا ہے۔

المسلم مرآة لأخیه　　　مسلمان اپنے بھائی کے لئے آئینہ ہے۔

پس جو کچھ کرو پہلے سوچ لو کہ اس کام کا اثر تم سے زیادہ تمہارے دوسرے مسلمان بھائیوں پر پڑے گا۔

اگر تم کوئی برا کام کرتے ہو تو سمجھ لو کہ یہ برائی تمہاری انفرادی برائی نہیں ہے، بلکہ اجتماعی جرم کر رہے ہو، اگر تم نے اپنے اعمال سے غیروں کو ہنسنے کا موقعہ دیا تو تم نے اپنی نہیں اپنی

قوم کی اور مذہب کی توہین کی، دیکھ لو مسلمان چور، مسلمان ڈاکو، مسلمان غنڈہ، مسلمان فقیر، اور مسلمان بے روزگار وغیرہ الفاظ زید عمرو اور بکر سے زیادہ اسلام اور مسلمان کے لئے باعث شرم ہیں۔

آج کی بات نہیں کبھی کا ذکر ہے کہ کفار کی جس بستی میں ایک مسلمان چلا جاتا تھا وہ اپنی ساری قوم کا نمونہ ہوتا تھا، اس کی تنہا ذات کفار کو مجبور کر دیتی تھی کہ اس کے اخلاق کی بنا پر سب کے سب اس کا مذہب اختیار کرلیں۔

مگر آج مسلمان قوم ہی متفقہ طور پر شہروں بازاروں اور گلی کوچوں میں اپنی بداخلاقی سے اعلان کرتی ہے کہ ''یہ ہیں آج کے مسلمان کے اخلاق اور مقام زندگی جن کو دیکھ کر دنیا کو مسلمان قوم سے کیا اسلام ہی سے نفرت کرنا چاہئے'' آج ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لئے خوبی کا آئینہ کیا ہوگا پوری قوم ہی خبث کا آئینہ بنی ہے۔

اللہ رحم کرے اس قوم پر جو اسلامی رفعت سے منہ موڑ کر اپنی ذلیل زندگی کو فخر کے ساتھ اجاگر کر رہی ہے۔

☆☆☆☆☆

اسلامی زندگی کے اصول

دنیا میں بے چینی عام ہے ہر طرف انسانی آبادی فساد کے جہنم میں جل رہی ہے، ملک سے ملک قوم سے قوم، مذہب سے مذہب حتی کہ گھر سے گھر اور خاندان سے خاندان منافرت لڑائی، بدگمانی، اور تو تو میں میں کر رہا ہے، ساتھ ہی غور بھی ہو رہا ہے کہ انسانی جماعت سے اس عالمگیر وبا کو کس طرح ختم کیا جائے، دلوں کے ملنے کی کونسی ترکیب کی جائے، محبت وہمدردی کی دہائی کس نام سے دی جائے اور دنیا کو امن وامان سے رہنے کے لئے کہاں سے سکون واطمینان لایا جائے۔

اور تو اور آج مسلمان بھی اس لعنت میں گرفتار ہیں بلکہ اس میں وہ مجموعی حیثیت سے چار قدم آگے ہیں، جماعتوں کا اختلاف نظریوں کا تضاد، افراد کی آویزش کچھ اس طرح باہمی منافرت اور الجھاؤ پیدا کئے ہوئے ہے کہ خدا کی پناہ۔

موجودہ حالت کو دیکھتے ہوئے کس منہ سے یہ دعویٰ کیا جائے کہ امن وسلامتی نہ صرف مسلمانوں کا شیوۂ زندگی تھا بلکہ کائنات میں وہ اس کے مبلغ بھی تھے، اخلاق ودیانت امن وسلامتی اور سکون واطمینان کا مفہوم مسلمان کے نام سے اسی طرح ذہن میں آجاتا تھا، جس طرح آگ کا نام لینے سے گرمی کا فوری خیال پیدا ہوجاتا ہے، البتہ اسلام کی تعلیمات بہرحال اپنی جگہ پر آج کیا قیامت تک اٹل رہیں گی، ان کی افادیت عملی زندگی کے لئے لافانی ہے اور وہ اپنے اصول وتعلیم کے لحاظ سے دیگر امور کی طرح اس امر میں بھی دنیا کے تمام مذاہب، تمام اقوام اور تمام نظریوں سے بلند وبالا ہے، آج ہم انسانی سوسائٹی میں امن وسلامتی کے قیام

وبقا کے لئے چار اصول پیش کرتے ہیں، اگر ہو سکے تو مسلمان ان پر عمل کر کے پہلے خود اپنی حالت درست کریں اور اس کے بعد دنیا کو درس محبت دیں، مصلح کائنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

یسّروا ولا تعسّروا و بشّروا ولا تنفروا،

لوگوں کے ساتھ نرمی سے پیش آؤ کسی پر سختی نہ کرو، ہر شخص کو خوش کن بات سناؤ، منافرت نہ پھیلاؤ۔

دیکھنے میں چار لفظوں کا ایک مختصر سا فقرہ ہے، مگر اپنی جامعیت اور افادیت کے لحاظ سے کائنات کے لئے امن وامان کا ضامن ہے۔

کسی سے غلطی ہو جائے، دانستہ کوئی اذیت دہ بات کر دے، تمہارا قرضہ ہے، یا اگر کسی فرد یا جماعت پر تمہاری سرداری ہے، لوگ تمہارے ماتحت ہیں، غرض کہ ہر معاملہ میں، ہر جگہ میں اور ہر وقت میں نرمی کا برتاؤ، اپنا رویہ بنالو، گفتار کردار نرم ہوں، زبان میں لچک ہو، حرکات میں محبت کی شیرینی ہو، تو بتاؤ تمہارے اور تمہارے متعلقین کے درمیان رابطۂ زندگی کس قدر خوشگوار ہوگا، اور انسانی زندگی کا ہر شعبہ کس قدر کامیاب ہوگا، تلخ کلامی، تندخوئی اور درشت اخلاقی کسی کے ساتھ کبھی نہ ہو، ہر بات میں آسانی ہی آسانی کا خیال رہے، جس جگہ جاؤ بشارت سناؤ جس سے انسان خوش ہو، جس سے آبادی مسرور ہو، جس سے لوگ تم کو دعائیں دیں، اور تمہارے وجود کو بسا غنیمت سمجھیں۔

نفرت انگیزی نہ کرو تم کو دیکھ کر لوگ یہ نہ سمجھیں کہ فسادی ہے، امن عامہ میں رخنہ ڈالنے والا ہے، اور دنیا میں خلل پیدا کرتا ہے بلکہ تم نفرت کو ختم کرو، عداوت کی جڑ کاٹ دو۔

ان چار اصولوں پر عمل کرنے کے بعد ناممکن ہے کہ کسی گھر میں، کسی جماعت میں، کسی ملک وقوم میں امن وسلامتی کا دور دورہ نہ ہو۔

تین قانون حیات

دنیا میں زندگی اور برتری اسی قوم کے لئے ہے جس کے اندر تین صفات موجود ہوں۔

☆.....(۱) قلب کی مضبوطی یا عقیدے کی پختگی۔

☆.....(۲) عملی قوت یا جذبۂ اقدام۔

☆.....(۳) صحیح رہنما یا نظام معاشرت کا بقا۔

قلب کی مضبوطی کی صورت یہ ہے کہ وحدانیت کا اعتقاد پختہ ہو، ایک خدا کی فعالیت کا تصور دل و دماغ میں راسخ ہو کہ خدا صرف ایک ہے جو تمام امور میں مؤثر حقیقی ہے اس کے سوا دریا، پہاڑ، دیو، عفریت، لشکر یا اس سے بڑی کوئی قوت ہو سب کی سب ہیچ ہے، اگر یہ عقیدہ مضبوط ہے تو پھر قوم کی زندگی نڈر ہوگی، حوصلے بلند ہوں گے ارادے جری اور بے باک ہوں گے اور ہر کام خدا کی عین منشا اور فطرت کے عین تقاضے کے مطابق ہوگا اور یہی سب سے اہم رمز ہے دنیا میں برتری کا، کامیابی کا اور فلاح و بہبود کا۔

عملی قوت کی فراوانی ہر لمحہ دعوتِ اقدام دے گی، دنیا کی ہر طاقت سے نبرد آزمائی کے لئے تیار کرے گی، قوم میں زندگی کے آثار و علائم کو ہر مقام پر اجاگر کرے گی، اور عمل کی جزا بہر حال مل کر رہے گی، کیونکہ یہ کائنات دار العمل ہے، بے عملی و بے کاری یہاں موت ہے۔

سچے رہنما، دردمند لیڈر اور مخلص ارباب اقتدار کا وجود قوم کے شیرازۂ نظام کا بقا ہے، اگر قوم کے سردار قوم کے خادم بن کر سرداری کرتے ہیں، ان کی زندگی ملک و قوم اور دین و ملت کے لئے وقف ہے اور اتحاد و اتفاق کی روح بن کر یہ رہنما یہ سردار، یہ لیڈر کام کرتے

ہیں تو پھر قوم کی تنظیم بحالہ قائم رہتی ہے، تباہی و بربادی کا نام نہیں آتا، اور اس کے لئے دنیا میں سربلندی و سرخوشی کے سوا کسی چیز کا تصور بھی نہیں ہوسکتا۔

لیکن اگر عقیدۂ توحید میں خامی پیدا ہوئی، دل میں غیروں کا خوف و ہراس پیدا ہوا، وسوسے کے لئے جگہ پیدا ہوئی اور دل کا سکون مختلف چھوٹی چھوٹی طاقتوں کے حوالے ہوا تو پھر قوم سے برتری اور زندگی کا اصلی مقام ختم ہو جاتا ہے اس کی ہر حرکت منشائے فطرت کے خلاف ہونے لگتی ہے، اس کا ہر قدم غلط پڑنے لگتا ہے اس کی ہر روش ترقی کے بجائے انحطاط و تنزل کا باعث ہوتی ہے، عقیدۂ توحید میں شائبہ شرک مسلمان کی تباہی کا پہلا زینہ ہے عملی قوت کا فقدان مردنی کا مظہر اتم ہے، اقدام عمل کے بجائے رات دن مقدرات کی بحث میں پڑنا اپنی موت آپ کرتی ہے، ہر چیز کے عواقب و نتائج کو متزلزل نگاہوں سے دیکھنا اس چیز کے نہ کرنے کی دعوت ہے، تاویل، بہانے اور بات بنانا، تباہی و بربادی کا دوسرا زینہ ہے۔

مسلمانوں کے رہنماؤں، لیڈروں اور قائدین کی بے راہ روی، ان کی غلط قیادت، ملک کی رہی سہی قوت کے خاتمے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے، جب ان میں حرص و ہوس اور جاہ و منصب کے لالچ کا مرض گھس جاتا ہے تو ملک و قوم کی موت یقینی ہو جاتی ہے، بدنصیب ہے وہ قوم اور بدبخت ہے وہ ملک جس میں لیڈروں کی کثرت اور کام کی قلت ہو، بالکل صحیح فرمایا مصلح کائنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ:

’’میں امت کے بارے میں آخری زمانے میں سب سے زیادہ تین باتوں سے ڈرتا ہوں کہ کہیں یہ باتیں ان میں نہ پیدا ہو جائیں، (۱) رہنماؤں کا اختلاف، (۲) نجوم پر ایمان لا کر توحید کی کمزوری (۳) اور تقدیر کے مباحث میں زیادہ سے زیادہ انہماک۔‘‘

☆☆☆☆☆

اخوت اسلامیہ کا مفہوم

آج کل کے ''فیشن'' میں نظریات کو اہم مقام حاصل ہے، ہر چیز میں ایک ''نظریہ'' کا دم چھلا لگا ہوتا ہے اور آج کل ''نظریہ'' کے معنی یہ ہیں کہ کسی بات کو موضوع سخن قرار دے کر دماغی عیاشی کی جائے، جہاں تک اس نظریہ پر عمل کا تعلق ہے وہ اس زمانے میں مفقود ہے، ہاں اس زمانہ سے پہلے جب کہ دنیا ''نظریات'' کی بندشوں سے آزاد ہو کر صرف ''عملیات'' ہی کو مقصد حیات سمجھتی تھی، اس وقت بات بنانے کے بجائے صرف عمل ہوا کرتا تھا۔

''مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں''، یہ مقولہ آج کل دیگر نظریات کے ساتھ ایک ''نظریہ'' بن کر رہ گیا ہے اور ایک سیاسی پوزیشن اختیار کر چکا ہے، مسلمانوں میں ایک رٹ ہے ''مسلم مسلم ایک ہوں'' مگر اس کا کیا مطلب ہے؟ ظاہر ہے کہ اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ ہندوستان میں ہندوؤں کے مقابلہ میں صرف سیاسی نقطۂ نظر سے مسلمان چند خود غرض، غلط کار، اور غیر مآل اندیش لیڈروں کے پیچھے چلنے میں ایک ہوں، یا بالفاظ دیگر یہ کہہ لو کہ ہنگامہ پسندی کے لئے ایک ہوں، اخلاق سوز مظاہرے کے لئے ایک ہوں، ملّت کی رسوائی کے لئے ایک ہوں، بہر حال ہندوؤں کے مقابلے میں اور لیڈر کی اتباع میں ہر قسم کی غلط کاری کے لئے ایک ہوں۔

اسلامی اتحاد و اتفاق کا سیاسی شور تو آپ ہر طرف سن رہے ہیں مگر سوال یہ ہے کہ کیا واقعی اسلامی اتحاد اخوت اسلامیہ اور باہمی تعاون و توافق اسی کا نام ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کی روشنی میں اس کا جواب سوچئے:

المسلم اخو المسلم لا یخذله ولا یکذبه، ولا یظلمه وان احدکم مرآة اخیه فان رای اذیً فلیمطه عنه (رواہ الترمذی)

مسلمانوں کے آپس میں بھائی بھائی ہونے کا تقاضہ یہ ہے کہ نہ اس کو رسوا کرے اور نہ اس پر ظلم کرے، تم میں سے ہر ایک دوسرے کے لئے آئینہ ہے، اس لئے کسی بھائی کے لئے کوئی اذیت دہ بات دیکھے تو اس کو زائل کرے۔

یعنی مسلمان بھائی بھائی ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی عزت و شرافت اور آبرو کا احترام کرے، کسی کی تذلیل، توہین اور آبرو ریزی نہ کرے، ہزار اختلافات ہوں مگر مسلمان کی عزت و حرمت پر حرف نہ آنے پائے، ایک دوسرے کی تکذیب نہ کرے، اتہام، بہتان، اور جھوٹا بنانا ایک دوسرے کے بغض و عداوت کا زینہ ہے، مسلمان جو دنیا میں شرافت نفس، بلندئ عزت اور احترامِ انسانیت کا داعی ہے خود آپس میں ایسی حرکات نہ کرے جو اس کی شان اور اس کی زندگی کے خلاف ہوں۔

ایک دوسرے پر ظلم زیادتی اور دست اندازی نہ کرے، خواہ کوئی چھوٹا ہو یا بڑا، مسلمان ہونے میں سب برابر ہیں، ایسا نہ ہو کے زبردست بھائی زیردست بھائی پر بے جا اثر اندازی کرے، یا ہاتھ زبان اور حرکات سے اس کو تکلیف دے، کیونکہ درحقیقت ایک مسلمان کی زندگی دوسرے مسلمان کی زندگی کا آئینہ ہے، اگر تم کسی پر کسی قسم کا دھبہ لگاؤ گے تو وہ دھبہ تم پر بھی آئے گا، اس لئے ہر مسلمان کی صورت اس آئینہ میں صاف و شفاف نظر آئے گی، خود برائی کرنا تو درکنار اگر کسی مسلمان میں کوئی بری بات دیکھو تو تم اس کو ختم کرو، کیونکہ وہ داغ تمہاری پیشانی پر بھی نمایاں ہوگا کہ تم مسلمان ہو اور وہ بھی مسلمان، دنیا کہے گی کہ ''مسلمان ایسا ہے'' پس اس حدیث کے پیش نظر جواب دو کہ آج کی ہنگامہ خیز دعوت اخوت امت ہندیہ کے لئے کس حد تک مفید ہے؟

وراثت ارضی کی شرطیں

خدا اپنی زمین کی وراثت اسی کو قوم کو بخشتا ہے جو اس کے اصول پر عمل کرے، قانون الٰہی کی پابندی کرے، اپنی زندگی کو قوانین فطریہ کی خدمت گذاری کے لئے وقف کردے، یہ ناممکن ہے کہ کوئی جماعت فطرت کے تقاضوں کو پورا کئے بغیر دنیا پر عزت وشرافت کے ساتھ غلبہ حاصل کر سکے، اور خدا کی زمین کا وارث بن سکے۔

پس وہی لوگ خلافتِ ارضی کے مستحق ہیں جو پہلے اپنی زندگی کو ایک روحانی نظام کی بندش میں جکڑ لیں، مادی زندگی کی جائز وسعتوں کو خدا کے تمام بندوں کے لئے زیادہ سے زیادہ عام کردیں، دنیا میں سراسر نیکی پھیلانے کی ذمہ داری اپنے سر پر اٹھائیں، اور تمام برائی کی جڑ کاٹنے کے لئے ہمہ تن تیار ہوں، اگر ان چار چیزوں کی صلاحیت ہوجائے، تو وہ خلافتِ ارضی سے سرفراز کئے جانے کے قابل ہوجاتے ہیں، اور قدرت ایسے لوگوں کو نظام ارضی کے لئے اپنا خلیفہ مقرر کرتی ہے، قرآن حکیم اس حقیقت کو اس آیت میں بیان فرما رہا ہے:۔

﴿ لینصرن الله من ینصره وان الله لقوي عزیز الذین ان مکنّٰهم فی الارض اقاموا الصلٰوة واتوا الزکوة وامروا بالمعروف ونهوا عن المنکر ﴾

بیشک اللہ تعالیٰ ان ہی لوگوں کی مدد کرتا ہے جو لوگ نظام قدرت کے مددگار ہوتے ہیں، کہ اگر ہم ان کو زمین کی بادشاہت عطا کردیں تو وہ نماز کا نظام قائم کریں گے زکوٰۃ کے پابند ہوں گے، امر بالمعروف کریں گے اور نہی عن المنکر کا فرض انجام دیں گے۔

اس آیت میں چار چیزیں ذمہ قرار دی گئی ہیں:

قیام نماز، گویا نماز جسد اسلام کے لئے روح ہے، مسلمان کی زندگی حقیقی اسلامی زندگی اسی وقت ہوسکتی ہے جبکہ کم از کم نماز کو قائم کرے، اگر اتنی بھی اسلامیت کسی کے اندر نہیں ہے تو اسلام کے اور اصول کو وہ کیا برت سکتا ہے؟ لہٰذا سب سے مقدم نماز کی گئی ہے، یہ انسانی تنظیم اور ہیئت اجتماعیہ کی پہلی صورت ہے۔

دوسری صورت نظام زکوٰۃ کا قیام ہے، یعنی نماز کے ذریعے نظام اجتماعی کی بحالی کے بعد بقائے زندگی کے نظام کا قیام ہے کہ تمام انسان جائز طریقے سے رزق حاصل کرسکیں اور اس سلسلہ میں مسلمان کی زندگی حرام کاری وحرام خوری کی لعنت سے محفوظ رہے، سب کی روزی اور ضروریات زندگی کی جائز کفالت اس نظام سے ہو، نظام زندگی کے قیام کے بعد اس کے بقا کے لئے نیکی کا پھیلانا ضروری ہے، ہر قسم کی نیک بات دنیا کے سامنے پیش کی جائے، تا کہ اسلام کی ہیئت اجتماعیہ میں کبھی شر وفساد کا رخنہ نہ پیدا ہوسکے، اور انسانیت اپنے مقام سے نہ گر سکے، اگر تقاضائے بشریت سے کبھی کوئی ناگوار بات پیدا ہوجائے تو شدت کے ساتھ اس کی روک تھام کی جائے، ایک ایک کر کے برائیوں کی جڑ کاٹ دی جائے، اللہ ورسول کے خلاف، اخلاق وشرافت کے خلاف، ملک وقوم کے خلاف اور افراد وجماعت کے خلاف، غرض یہ کہ جو ''امر منکر'' بھی انسانی زندگی کے کسی گوشے میں نظر آئے فوراً اس کی بندش کی جائے۔

یہی وظائف ہیں جن پر عمل کرنے کو "من ینصره" سے تعبیر کیا گیا ہے اور جن کی ذمہ داری لینے اور پورا کرنے پر ''تمکین ارض'' کی سند حاصل ہوتی ہے پس اعمال وعقائد کی بندشوں سے آزاد ہوکر ''تمکین فی الارض'' کی تمنا ایک خوش فہمی ہے جسے تاریخ نے ہمیشہ ہنس کر نظر انداز کردیا ہے۔

☆☆☆☆☆

تمنا اور عمل

اگر تم برے کام کرتے ہو تو بہر حال برے کہے جاؤ گے، دنیا تم کو کبھی نیک نامی کا تمغہ دے کر عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھے گی، اور اگر تمہارے اخلاق اچھے ہیں اور کام نیک ہیں تو پھر یہ بھی نہ ہوگا کہ تم اچھے نہ کہے جاؤ، لوگ تمہاری خوبیوں کو نہ سراہیں کیونکہ نیکی اور بدی دو جدا حقیقتیں ہیں جن کے نتائج بھی جدا جدا ہیں۔

یہ بھی نہ ہو سکتا کہ دنیا میں برائی کرتے پھرو اور پھر نیک نام مشہور جاؤ، لوگوں کو گالیاں دیتے رہو اور لوگ ہیں کہ تم کو پیار کرتے رہیں، اگر برائی کے بدلے میں نیکی کے خواہاں ہو تو یہ تمہاری برائی کی خوش فہمی ہے اور تمہاری ذلت وخواری کی بڑی وجہ۔

آج کون مسلمان ہے، جس کی تمنا یہ نہیں کہ ہم دنیا میں سر بلند ہو کر رہیں، ہماری پوزیشن اقوام عالم میں نمایاں حسن شہرت حاصل کرے، اور اپنے اسلاف کی طرح ہم بھی اہل جہاں میں اعتماد پیدا کریں، لوگ ہمیں بھی اچھا کہیں، مگر کیا ان چیزوں کی تمنا کرنا ہی ان کے حصول کے لئے کافی ہے؟ اور کیا مسلمان کا تصور اتنا بلند ہے کہ تمام تمناؤں اور خواہشوں کو منصۂ شہود پر لا کھڑا کردے گا؟

اگر ایسا نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے تو ضروری ہے کہ مسلمان دنیا میں عزت وسر بلندی کے لئے کام کرے، اپنے سر بلندوں اور نیکوں کی اتباع کرے، جن باتوں سے اس کے اسلاف دنیا میں سر بلند اور کامران تھے، انہیں باتوں کو یہ بھی اختیار کرے اور انہیں کے طریقے پر عمل کرے۔

قرآن حکیم کا ارشاد پڑھ لو:

﴿ والذین امنوا واتبعتھم ذریتھم بایمان الحقنابھم ذریتھم وما التناھم من عملھم من شئ کل امرئ بما کسب رھین ﴾

جو لوگ ایمان لائے اور ان کی آل واولاد بھی ایمان لا کر ان کے پیچھے چلی تو ہم ان کی آل واولاد کو ان کے ساتھ کر دیں گے، ان کے اعمال میں کوئی کمی نہ کریں گے کیونکہ ہر آدمی اپنے کردار کا ذمہ دار ہے۔

پس اگر دنیا میں اپنے اسلاف کی اتباع ضروری سمجھتے ہو اور کائنات کی موجودہ کش مکش کا حل اسلامی تعلیمات کی پابندی کو تصور کرتے ہو تو انہیں اسلاف کے نقش قدم پر چلو، ان کی سیرتیں پیدا کرو، ان سے حق کے لئے مرنا سیکھو، سچ بات کہنا سیکھو، عدل وانصاف کی بے پناہ جرأت سیکھو اور اقوام دنیا کے سامنے اسلام کے اصلی پیروکار بننا سیکھو، قرآن سامنے ہے، رسول اللہ کی تعلیمات ابھی دنیا میں باقی ہیں، یہ دونوں روشنیاں انسانی شاہراہ کے لئے ایک پکے مسلمان کے عقیدے میں کافی ہیں، ان کے بعد کسی دوسری چیز کی ضرورت نہیں۔

اگر اسلامی تعلیمات سے علیحدہ ہو کر تم نے کوئی راہ تلاش کی ہے تو اس کے ذمہ دار تم ہو، خدا کی کوئی ذمہ داری نہیں کہ تم کو سرتابی ونافرمانی کے بدلے خواہ مخواہ صحیح راہ پر چلائے، خدا سے تمہارا تعلق نہیں، تم خدا کے رشتہ دار نہیں ہو، بلکہ اس کا قانون ہر انسان کے لئے ایک ہے، اس کے نزدیک خاندانوں، گھرانوں، قوموں، اور ملکوں کی کوئی تمیز نہیں۔

﴿ کل امرئ بما کسب رھین ﴾ ہر آدمی اپنے کئے ہوئے کے مطابق پائے گا۔

☆☆☆☆☆

ظاہری اعمال

اسلام نام ہے عقیدہ وعمل کا، اگر عقیدے کے مطابق عمل نہ ہوتو ایسا اسلام نامکمل ہے بلکہ اگر خلاف عقیدہ عمل کا صدور ہوتو سراسر کفر ہے، جہاں تک عقیدے کا تعلق ہے ہر شخص کا دل شاہد ہے کہ وہ اپنے عقیدے میں کہاں تک ثابت قدم ہے، لیکن عمل کے معاملے میں وہ خود فیصلہ نہیں کرسکتا بلکہ ظاہری حالت کا اعتبار کیا جائے گا مثلاً کوئی شخص نماز نہیں پڑھتا، جھوٹ بولتا ہے، حرام کاری میں مبتلا رہتا ہے اور اپنی زندگی کو وقفِ معصیت کرچکا ہے تو اسلامی آئین کی رو سے قابل گرفت ہے یہ کہہ کر نجات حاصل نہیں کرسکتا کہ میرے دل میں اسلام کے قانون کا احترام موجود ہے میں کلمہ توحید پر ایمان رکھتا ہوں، اور خدا اور سول کا اقرار کرتا ہوں، یہ ایک کھلی حقیقت ہے، لیکن جہاں اور بہت سے نامناسب واقعات کا ظہور ہوتا ہے وہاں یہ واقعہ بھی ہوتا آیا ہے کہ تصوّف وزہد اور تقویٰ کے پردے میں ہوسناک اور بے عمل لوگوں نے ہمیشہ عوام کو یہ کہہ کر بہکایا ہے کہ شریعت اور ہے اور طریقت اور ہے، حالانکہ شریعت ہی پر پورے طور سے عمل کے نتیجے میں مقام طریقت حاصل ہوتا ہے، یہ ناممکن ہے ایک شخص نماز نہ پڑھے اور ولی ہو جائے، روزے نہ رکھے اور متقی بن جائے، زکوٰۃ نہ دے اور اس کی پارسائی برقرار رہے، بلکہ ایسی حرکات کا ارتکاب کرنے والے اور عوام کو اپنے زہد وتصوف کا شیدا بنانے والے "اولیاء الشیطان" ہیں، "اولیاء الرحمٰن" کی زندگیاں تو اسلام کا نمونہ ہوتی ہیں۔

اس سلسلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا "فیصلہ فاروقی" ملاحظہ فرمائیے:

انما ناخذ بما ظهر لنا من اعمالكم فمن اظهر لنا خيراً امناه وقربناه و ليس لنا من سريرته شئ ، الله يحاسبه في سريرته ، ومن اظهر لنا سوءاً لم نامنه ولم نصدقه وان قال ان سريرته حسنة (بخاری شریف)

تمہارے ظاہری اعمال پر ہم مواخذہ کریں گے جو شخص نیک اعمال ظاہر کرے گا ہم اسے امن دیں گے اور اپنا قریبی سمجھیں گے، ہمیں اس کے باطن سے کوئی سروکار نہیں، اس کے باطن کا اللہ تعالیٰ محاسب ہے اور جو شخص بدکرداری ظاہر کرے گا ہم اسے امن نہ دیں گے اور نہ ہی اس کی تصدیق کریں گے، اگر چہ وہ دعویٰ کرے کہ اس کا باطن نیک ہے۔

دیکھو! حضرت عمر کے الفاظ کس قدر صریح ہیں، اور صاف صاف اپنا مطلب بیان کر رہے ہیں، اس کے بعد کیا پھر کسی تاویل کی گنجائش رہ جاتی ہے؟

اے کاش! ہماری آج کی اسلامی سوسائٹی بھی اس "فیصلۂ فاروقی" کے پیش نظر لوگوں کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کرنا شروع کردے کہ جو شخص اپنے ظاہری اعمال سے اپنی خوبی ثابت کرتا ہے، ہم اس کی خوبیوں کو بلاچون وچرا تسلیم کرلیں اور جو شخص اپنے اعمال وکردار سے اپنی خباثت کا ثبوت دیتا ہے ہم اسے خبیث اور بدکار سمجھیں، اگر کوئی باطن میں برا ہے تو اس کا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے ہمیں اس سے کوئی غرض نہ ہو اور ہم صرف اس کی ظاہری خوبیوں کو دیکھ کر اس سے نیک سلوک کریں، اسی طرح اگر کوئی باطن میں نیک ہے تو ہوا کرے ہمیں تو صرف اس کے ظاہری حالات کے جانچنے کا حکم ہے اگر ظاہر میں برا ہے تو باطنی نیکی اسلامی سوسائٹی کے لئے سودمند نہیں۔

☆☆☆☆☆

تبلیغ حق کی آخری منزل

ایک مضمون میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی کی روشنی میں عرض کیا گیا تھا کہ اگر مسلمانوں میں ملک گیری کی ہوس عام ہو اور ایک مسلمان یہ فیصلہ نہ کر سکے کہ کون جماعت حق پر ہے، یا وہ اس فتنے کو روکنے کی طاقت نہیں رکھتا تو اسے ایسی حالت میں اپنے دین کی حفاظت کے لئے ان ہنگاموں سے یکسو ہونا چاہئے۔

لیکن جہاں تک اپنی طاقت رکھتا ہے فتنہ کو فرو کرنے کی کوشش کرے، اور اپنی ایمانی قوت کا ثبوت دیکر خود اپنے فریضہ سے سبکدوش ہو جائے، اور ارباب فتن پر حجت تمام کر دے، اس کے بعد بھی اگر فتنہ وفساد کی آندھیوں میں ایمان کی لو مدھم پڑنے لگے تو پھر اسے لازم ہے کہ آخری بچاؤ کے لئے کنارہ کشی اختیار کر لے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

من یری امراً منکراً فلیغیرهٗ بیده فان لم یستطع فبلسانه فان لم یستطع فبقلبه وذلک اضعف الایمان (او کما قال رسول الله صلی الله علیه وسلم)

''جو شخص جو خلاف شرع بات دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے مٹائے اگر اس کی طاقت نہ رکھے تو پھر زبان سے مٹانے کی کوشش کرے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ محسوس کرے تو دل ہی سے اسے برا سمجھے، اور یہ ایمان کا ادنیٰ درجہ ہے''۔

ایمان کے ادنیٰ درجہ کی اس نزاکت کے وقت ایک سچے مؤمن کے لئے ایمان کی

حفاظت کا سوال اہم ہو جاتا ہے اور تکمیل ایمان کے لئے اسے حکم دیا گیا کہ وہ اس پرفتن ماحول سے نکل کر اپنے ایمان کی حفاظت کرے تا کہ ''ضعف الایمان'' کی نزاکت کہیں ''خاتمۂ ایمان'' کی صورت نہ اختیار کر لے، موجودہ حالات کے پیش نظر ایمانی بصیرت کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ ''وذالک أضعف الایمان'' کا یہی زمانہ ہے۔

سچے مسلمان آج دست وزبان سے منکرات کے روکنے کی طاقت نہیں رکھتے، علی الاعلان لادینی کا زور ہے، لوگوں کے دل ودماغ پر اسلام کے بغاوت کا بھوت سوار ہے، اور خدا اور رسول کے احکام اور اوامر ونواہی کا پاس مسلمانوں کے دل سے نکل چکا ہے۔

حق پسندوں پر دنیا تنگ ہو رہی ہے، سچائی اور دیانت کے نام سے عام لوگوں میں ''سیاسی ہیجان'' پیدا ہوتا ہے، مذہب سے بیزاری میں ''سیاست'' کی بیداری ہے۔

پس اگر تم کسی ایسے محلے میں ہو جہاں حق کی آواز پر لوگ تمہیں تنگ کرتے ہیں، زندگی دوبھر ہو رہی ہے تو ان ہنگاموں سے یکسو ہو کر اپنے دین وایمان اور دیانت وصداقت کی حفاظت کرو، اور ان کو لوگوں کے سامنے ذلیل ورسوا ہونے سے بچاؤ۔

البتہ جہاں اہل حق کو استطاعت ہو کہ فتنے کو مٹا سکتے ہیں، زبان سے حق بات سنا سکتے ہیں اور تبلیغ دین کی ادنیٰ بھی خدمت کر سکتے ہیں ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے فریضہ کو انجام دیں۔

☆☆☆☆☆
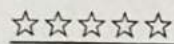
چند بنیادی حقیقتیں

تقدیر کا مفہوم

جب کوتاہی ، بے عملی ،اورتن آسانی کا مرض عام جاتا ہےاورقنوت ومایوسی ہرطرف سے گھیر لیتی ہےتو ہر چیز الٹی نظر آنے لگتی ہے، ہرحقیقت افسانہ بن جاتی ہے،اوروہی چیز جو کبھی اقدام وعروج کا سبب بنی تھی ادبار وتنزل کے لئے دلیل بن کرخسران مبین کا باعث بن جاتی ہے۔

مثلاً اسلامی عقائد میں ''عقیدۂ تقدیر'' بنیادی حیثیت رکھتا ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ نتائج کا مالک خدا ہے، بندے کا کام کوشش کرنا ہے، کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ خدا کے علم وقدرت میں کاوش تو کرے مگر خود کچھ نہ کرے، جو کچھ خدا کے علم وقدرت میں ہے اس کا ہونا ضروری ہے انسان کے بس میں کوئی بات نہیں ہے، خدا مالک الامر ہے، اسی کا حکم چلتا ہے۔

اسی عقیدۂ راسخ کی بناپر مسلمان چٹانوں سے ٹکرایا، معرکوں میں سرفروشانہ بڑھا، اور یہ کہہ کر اپنی زندگی کو اس نے عمل وآزمائش کے آتشکدہ میں بے دریغ جھونک دیا کہ نتیجہ مالک الامر کے ہاتھ میں ہے کوشش کرنا میرا کام ہے اگر میری موت تلواروں کے سایہ میں مقدر ہو چکی ہے تو میں گھر میں کیسے مرسکتا ہوں، اور اگر میرا آخری سانس نرم بستروں پر ختم ہونیوالا ہے تو میدان جنگ کی قیامت خیزی مجھے کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتی۔

چنانچہ یہی عقیدۂ تقدیر فتح وکامرانی کا راز بنا، اسی کے بل بوتے پر مسلمانوں نے کائنات کی میخوں کو ہلا دیا اور اسی سرچشمۂ حیات سے گلشن امت کی آبیاری ہوئی۔

لیکن آج جب کہ موت وحیات کی کشمکش عام ہے قوموں اور ملتوں کے اقبال وادبار کی

ساعت گذر رہی ہے اور خود ہندوستان زندگی کے ایک نئے دور میں چل رہا ہے، مسلمان ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظر فردا ہیں، کاروان منزل کے سامنے شکستہ پا ہے، بلا کا ہر جھونکا انہیں ہلا رہا ہے، خوف وہراس کی ہر منزل قدم پکڑ رہی ہے، اور مسلمانوں کے جوف قلب میں عزم ویقین والے دل کے بجائے خطرات کا طوفان بھرا ہوا معلوم ہوتا ہے، آج یہی ''عقیدۂ تقدیر'' ادبار و ہلاکت اور بے مائیگی و بے بسی کا سبب بن رہا ہے، ہر بے عمل کی زبان پر شکوۂ تقدیر ہے، ہر طرف عوام کے مجمع سے یہی آواز اٹھ رہی ہے کہ ''یہ سب تقدیر کا کھیل ہے، تقدیر پر کس کا بس چل سکتا ہے'' اس طرح اپنی ناکردنی کو تقدیر کے سر منڈھا جاتا ہے، اور نہایت سکون سے ہر ذلت سہنے کا ذوق عام ہے۔

تقدیر ایک ہے مگر دیکھو دور اول میں اسکا منشاء اور مفہوم کچھ اور سمجھا گیا، اور دور آخر میں کچھ اور، اپنی تقدیر آپ بنائی جاتی ہے جو جس عزم وارادہ کا مالک تھا اس نے ویسی ہی اپنی تقدیر بنائی اور اول کے لوگوں کا مقصد اور مدار ایمان یہ تھا:

﴿ ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی لله رب العالمین ﴾

نماز وعبادت ایثار وقربانی اور مرنا جینا غرض میرا سب کچھ صرف خدا کے لئے ہے۔

یہی وجہ ہے ان کی تقدیر فتح وظفر سے ہم آغوش تھی اور انہوں نے خود تقدیر کو اپنی کامیابی کے لئے وسیلۂ جلیلہ بنایا۔

اور آج کے لوگ جو زندگی کی ہر انجمن سے بے بہرہ ہیں اسی تقدیر کو اپنی حرمان نصیبی اور بے پناہی کا ذریعہ بنا رہے ہیں جس کے بعد عمل واقدام اور سعی وحرکت کا کوئی سوال ہی نہیں ہوتا، لیکن یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہر قسم کی برائیوں میں تم مبتلا رہو اور ان کے نتائج وثمرات، تقدیر کا نتیجہ ہوں، کیا تمہارے پیش رووں سے خدا کی خونی رشتہ داری تھی کہ اس نے ان کی تقدیر میں

اقبال وعروج لکھ دیا اور خدا کو تم سے بغض وعداوت ہے کہ تمہارے حصے میں سراسر خسران ہی دے دیا، تم پر ادبار اور انحطاط کا عذاب مسلط کر دیا اور تمہاری زندگی مبتلائے رنج ومحن کر دی، کیا خدا کا قانون؛ نسلی حدود دیا زمان ومکان کی بندشوں میں گھرا ہوا ہے؟

پس اپنی تقدیر کا ماتم کرنے سے پہلے اپنے اعمال وکردار کا ماتم کرلو، خدا کا عام قانون یہ ہے:

﴿من عمل صالحاً فلنفسه ومن اساء فعليها﴾ جو نیک کام کرے گا اپنے لئے اور جو برائی کریگا اپنے لئے۔

''شکوۂ تقدیر'' ہاری ہوئی قوموں کا وظیفہ ہے، شکستہ دل انجمن کا نغمہ ہے اور ذہنی تسفل اور جذباتی کم مائیگی کی ''بضاعۃ مزجاۃ'' ہے، اور ''عقیدۂ تقدیر'' سرفروشوں کا نعرہ ہے بڑھتے ہوئے حوصلوں کا رجز ہے اور عمل ویقین کے بل پر جینے والوں کے لئے سہارا ہے۔

تم اپنا ذہنی ڈھانچہ بدل سکتے ہو، سمجھ بوجھ کی آنکھ میں دھول ڈال سکتے ہو، علم ویقین کی دنیا میں اندھیر مچا سکتے ہو، مگر قانونِ قدرت پر دست درازی نہیں کر سکتے اصول فطرت کو نہیں بدل سکتے اور ''ضابطۂ تقدیر'' میں کوئی تغیر وتبدل نہیں کر سکتے، اگر ایسا سمجھو گے تو اس کا نتیجہ تمہارے سامنے آنا ضروری ہے جس کے بعد کہیں مفر نہیں، نہ پاکستان میں نہ ہندوستان میں، پس !

این المفر: کہاں بھاگ رہے ہو۔

☆☆☆☆☆

ذہنی مرعوبیت

بنی آدم کی طبقاتی کشاکش اور درجاتی آویزش نے خدائی حدود کی پامالی کی ہے، چونکہ انسان مافوق الفطرت قوت کے سامنے سرنگوں ہو سکتا ہے اس لئے شہنشاہیت کے تصور نے مافوق الفطرت مقامات کو حلقۂ دامِ خیال بنانے کی کوشش کی، یہی وہ مقام ہے جہاں ''عقیدۂ توحید'' کی بنیادوں پر ''عقیدۂ شرک'' کی بنا رکھی گئی ہے، اور بادشاہوں نے خدا کے بندوں کو غلام بنانے کی غرض سے الوہیت کی صفات کا دعویٰ کیا۔

چونکہ شہنشاہیت کا تصور انسان کے دماغ میں ہمیشہ قوت کے زعم یا مذہب کے نام پر ہوا ہے، اس لئے اہل قوت اور ارباب مذہب میں سے اقتدار پسند افراد اس جرم یعنی دعویٰ صفاتِ الٰہیہ کے مرتکب ہوئے ہیں، زمانۂ قدیم میں شہنشاہیت کو خدائی صفات کا مظہر سمجھ کر مغلوب العقل انسان اس کی غلامی باَنداز بندگی کرتے تھے، عوام میں بادشاہوں کو پانی، روزی پہاڑ، دریا، آسمان اور زمین وغیرہ کا دیوتا شمار کیا جاتا تھا، اور اسی نظریہ کے مطابق ان کی پرستش ہوتی تھی، یہ رسم قدیم رومیوں اور ہندوؤں میں زیادہ تھی، فرعون نے اسی نظریۂ حکومت کے ماتحت اپنے غلاموں یعنی بنی اسرائیل کے سامنے اپنے ''رب اعلیٰ'' ہونے کا دعویٰ ان الفاظ میں کیا تھا ﴿انا ربكم الاعلىٰ﴾ (میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں) اور اسی طرز حکومت نے نمرود کو اپنے غلاموں کے سامنے یہ کہلوانے پر مجبور کیا: ﴿انا احيى واميت﴾ میں موت وزندگی کا مالک ہوں۔

یہی حال ان لوگوں کا بھی تھا جو مذہب کے نام پر حکومت کرتے تھے، رومی، نصاریٰ کے علماء سوء نے اپنے دور کے بادشاہوں کو خدائی شان میں جلوہ گر ثابت کرکے زمین پر "آسمانی بادشاہت" کا پرچم لہرایا، اور قوت وطاقت کی غلامی میں پڑ کر عقیدۂ توحید میں تثلیث کی آمیزش کردی، یہی وجہ ہے کہ ان گمراہ ارباب دین کو قرآن حکیم نے ان الفاظ میں مجرم قرار دیا ہے:

﴿ یتخذون ارباباً من دون الله ﴾ انہوں نے خدا کے علاوہ کتنے رب بنائے ہیں۔

اب بھی شہنشاہیت کا یہی اصول ہے کہ انسان کے دل ودماغ کی فطری آزادی پر قبضہ کیا جاتا ہے، قوموں کی وطنی، قومی، سیاسی اور مذہبی عصبیت پر ایسی ضرب کاری لگائی جاتی ہے، جس سے وہ قومیں تاب نہ لاکر قوت وطاقت کے سامنے چت پڑ جاتی ہیں، البتہ اگلے زمانہ میں براہ راست دعویٰ الوہیت اور شرک فی التوحید کا کھلم کھلا ارتکاب کیا جاتا تھا، اور انسان کے سادہ دماغ پر بآسانی قابو حاصل کرکے اسے آلۂ کار بنایا جاتا تھا، اور اب علم وتحقیق کی روشنی میں ہوائی جہاز، ایٹم بم کی ایجاد اور بحری وبری قوتوں کی فراہمی سے کام لیا جاتا ہے، نئے نظریات، جدید تحقیقات اور برقی ایجادات کے ذریعے ذہن کو مرعوب کرکے مسخر کیا جاتا ہے۔

تم دیکھ رہے ہو کہ آج یورپ کی ایجادات وتحقیقات اور قوت وطاقت نے اشخاص وافراد سے بڑھ کر سلطنتوں بلکہ دنیا بھر کے دماغوں کو مسخر کرکے اپنا غلام بنالیا ہے ان مشاہدات اور واقعات کے پیش نظر یہ کہا جائے گا کہ غلامی "ذہنی مرعوبیت" کا ایک جال ہے یا بعنوان دیگر قوموں کی غلامی ان کی اس "ذہنی غلامی" کا نتیجہ ہے جو شعور واحساس، غور وفکر، ذاتی ارادوں اور خدا کی عظمت سے انسان کو غافل کردیتی ہے اور انسان بلا چون وچرا اندھی تقلید کرکے جابر ومسلط قوت کی ہر بات مان لیتا ہے، کیونکہ فطرت کا یہ قانون عام اور اٹل ہے:

" الناس علی دین ملوکھم "

انسان مسلط قوت کے ماتحت رہ کر اسی کی راہ اختیار کرتے ہیں۔

لیکن اسلام نے شہنشاہیت کے اس شرک آمیز تخیل پر خلافت کے ذریعہ ضرب کاری لگائی اور شخصی حکومت کی ان نحوستوں کو ختم کرکے ایک اسلامی جمہوری حکومت کی بنیاد رکھی جس میں ہر اس انسان کو حریت فکر وخیال کا حق دیا گیا ہے جو مسلمان بن کر خدا کی زمین پر امن وسلامتی کا داعی ہو، حتیٰ کہ ایک بڑھیا خلیفۃ المسلمین کو برملا کھری کھری باتیں سنا سکتی ہے "وامرھم شوریٰ بینھم" نے قدیم شہنشاہیت کی جڑ کھود کر پھینک دی اور تمام صالح انسانوں کو سلطنت وحکومت کا مشیر بنا دیا۔

پس مسلمان کا کام حکومت کو نیک مشورہ دینا ہے، اسے راہ راست پر لانا ہے اور اسلامی افکار سے اسے متاثر کرنا ہے نہ کہ خود عہد قدیم کے غلاموں کی طرح طاقت سے مرعوب ہونا، اور اپنے دل کے گوشے میں اس کی ہیبت بٹھانا، ذہنی مرعوبیت اسلامی زندگی کی موت ہے اور اصلاحی مشورہ منصب مسلم ہے، پس پرانی یاد تازہ کرنیکی بجائے اپنے فرض کو پورا کرو، چاہے اس میں تمہیں مصائب ہی کیوں نہ اٹھانے پڑیں۔

☆☆☆☆☆

ایمان واطمینان

اسلام کے نزدیک بلندی وعروج کا راز "ایمان" میں ہے، کیونکہ ایمان ہی معیار برتری ہے ﴿انتم الأعلون ان کنتم مومنین﴾ اب دیکھو کہ ایمان کا معیار کیا ہے کس قسم کا ایمان دنیاوی اور دینی ترقیات کا ضامن ہے اور وہ کون مومن ہے جو خدا کی زمین پر عزت، اقتدار، شرافت وعظمت اور کرامت کا نمونہ ہے۔

اگر تم سوچتے ہو کہ ہم خاندانی مسلمان ہیں اس لئے ہمیں سربلندی چاہئے تو تم اپنے خیال میں مگن رہو، اگر تم چند خود ساختہ رسوم ورواج کو اسلام وایمان کا مدار سمجھ کر کامیابی وبرتری کے زینے پر چڑھنا چاہو تو یقین کر لو کہ اوپر جانے کی کوشش کرنا نیچے آنے کے لئے کافی ہے، اگر تم نے چند بے روح حرکتوں کو برکات خداوندی کے خزانے کی کنجی گمان کر لیا ہے تو یہ تمہارے گمراہ ذہن کی بے بسی کا نتیجہ ہے اس ایمان کی حقیقت کو جو کائنات خشک وتر کے خزانوں کا مالک بنا دیتا ہے قرآن حکیم یوں بیان فرماتا ہے:

﴿یا ایھا الذین امنوا ادخلوا فی السلم کافۃ ولا تتبعوا خطوات الشیطان﴾

اے اہل ایمان! اسلام کے تمام تقاضوں کو پورا کرو، اور شیطانی وسوسوں میں پڑ کر ان میں کوتاہی نہ کرو۔

یعنی قدرت کے چشم وابرو کے جملہ تقاضوں کا پورا کرنا ہی حقیقی ایمان ہے جو انسانی زندگی کے ہر گوشہ کو برتری سے معمور کر دیتا ہے، یہ ناممکن ہے کہ کوئی فرد یا قوم اپنے فرائض منصبی سے

ہٹ کر کامرانی حاصل کر سکے قوم مسلم کا مقام زندگی سراسر عمل اور توکل علی اللہ ہے، جہاں تک عملی زندگی کا تعلق ہے عام حکم یہ ہے:

اعملوا فکلکم میسر (بخاری شریف)

عملی زندگی کی صلاحیت تم سب میں موجود ہے۔

اس لئے اس میں کوتاہی نہ کرو اور جہاں تک توکل علی اللہ کا تعلق ہے قرآن کا نظریہ یہ ہے: ﴿یفعل ما یشاء﴾ اور یہی عقیدہ مسلم کی روح ہے، اس میں شیطانی وسوسے، گمراہ خیالات اور باطل نظریے دخل انداز نہ ہونے پائیں ورنہ "کافۃ" پورے طور سے" اسلام کی پیروی نہ ہوگی۔

پس آج دیکھو شہروں کے مسلمانوں کو ہر طرف خوف وہراس کا شیطانی جال ہے، ہر بھتی بے دلی وبے اطمینانی کا مایوس کن گہوارہ ہے عملی زندگی کے پہلو میں فقدان ہمت کا ناسور ہے اور عقیدۂ توحید میں توہمات اور افکار سے تزلزل ہے ان حالات میں اسلامی زندگی کا پورا عکس کہیں نظر نہیں آتا اور مسلم قوم کے لئے کوئی ضمانت نہیں ہے کہ وہ "اعلون" کے بلند مقام پر موجودہ روش سے پہنچ سکتی ہے کیونکہ اقلیت واکثریت میں الجھا ہوا ایمان رسم ورواج کی جکڑ بندیوں میں مجبور ایمان عظمت اغیار کے سامنے سرنگوں ایمان اور خدائے واحد کے قائم کردہ معیار سے گرا ہوا ایمان، ایمان نہیں بلکہ شیطان کا جال ہے جس میں ابن آدم الجھا ہوا ہے اور اسے خداوندی کی موعود برتری سے کوئی واسطہ نہیں جو ایمان سربلندی کا مدار ہے اس کی حقیقت اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ ایک خدا کے قوانین پر دل جمعی کے ساتھ تمام باطل خیالات سے یکسو ہو کر پورے طور پر عمل کرنا اور بس۔

نفسانی رجحانات پر عمل کرنا، قوت واقتدار کے چشم وابرو پر ناچنا، ہوسناک لیڈروں کے پیچھے چل پڑنا اور دل ودماغ کی کاوشوں کو معطل کر کے اندھادھند تقلید کرنا یہ تمام ایسے شیطانی

وسوسے ہیں جن میں پھنس کر انسان ایمان کی حدود سے خارج ہو جاتا ہے اور خداوندی انعام واکرام کی فہرست سے اس کا نام یکسر ختم کر دیا جاتا ہے۔

پس اگر تم خواہش نفسانی میں الجھے ہوئے ہو تو عزت وشرافت کی تمنامت کرو، توحید کے دعویدار بن کر اگر اس پر عمل نہیں کرتے ہو تو خلافت ارضی کی خواہش تم کو زیب نہیں دیتی، غلط قسم کے لوگوں کی باتوں میں پڑ کر جاننے کے باوجود گمراہ ہو رہے ہو، تو یہ دعویٰ نہ کرو کہ ہم یہ کرلیں گے اور وہ لے لیں گے اور اگر خوف وہراس کی دلدل میں پھنس کر مایوس نگاہوں سے دنیا کی طرف دیکھ رہے ہو تو زندگی کی تمنامت کرو کیونکہ تمہارا ایمان وہ ایمان نہیں جس کے لئے یہ باتیں زیب ہیں۔

دل کی گہرائیوں میں تجسس کی آنکھ سے دیکھو کہ اس میں کتنا ایمان کا اجالا ہے اور کتنا شیطان کا اندھیرا ہے اگر ایمان کا اجالا ہی اجالا ہے تو پھر کامیابی ہی کامیابی ہے اور اگر اس میں شیطانی ظلمت کا کوئی شائبہ بھی ہے تو پھر کامیابی وسربلندی کی کوئی راہ نہیں ہے، پہلے اس ظلمت کو ختم کرو یعنی سب سے پہلے مؤمنِ کامل بن جاؤ، پھر کائنات کی ہر چیز کے مالک تم ہو۔

☆☆☆☆☆

خلفائے اسلام کے مشاہرے اور ان کا معیار زندگی

اسلامی سلطنت کے کارکنوں کی تنخواہ کی شرح اسلام کے بجٹ میں یہ ہے جسے مقنن کائنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیار کیا ہے:

من كان لنا عاملاً فليكتسب زوجة فان لم يكن له خادم فليكتسب خادماً وان لم يكن له مسكن فليكتسب مسكنا و ان اتخذ غير ذلك فهو غالٍ (ابوداؤد)

جو شخص ہمارا عامل ہے اس کو صرف ایک بیوی کا خرچ لینا چاہئے اگر اس کے پاس نوکر نہ ہو تو نوکر اور اگر مکان نہ ہو تو مکان کا لیکن اگر اس سے زیادہ خرچ لے گا تو خائن ہوگا۔

یہی شرح تنخواہ ہے جو ابوبکرؓ وعمرؓ کو اسلامی بیت المال سے ملتی تھی، اور جس پر وہ حضرات گذارہ کرتے تھے، جب ہی تو وہ حضرات، خلافت کے رنگ میں عوامی حکومت کر گئے، بازاروں میں تجارت کر کے کپڑوں میں پیوند لگا کر، تنگ دست رہ کر اور عوامی زندگی کے دور سے گزر کر پورا اندازہ لگایا کہ عام انسانی ضروریات کیا ہیں اور حکومت کو اس سلسلہ میں کیا کرنا چاہئے؟

اوپر کی حدیث سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ جس زمانے میں ایک انسان کو عامی زندگی بسر کرنے میں جن چیزوں کی ضرورت ہے اسی لحاظ سے عوام کے حکمرانوں کو رقم ملنی چاہئے اگر ایک معمولی آدمی کے خرچ سے زیادہ کوئی عامل روپیہ وصول کرے تو اسلام کی حکومت میں باغی ہے مجرم ہے اور اپنے خدا اور رسول اور شوریٰ کے سامنے جواب دہ ہے، یہی وجہ تھی کہ حضرت

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو جب معلوم ہوا کہ بیت المال کی کچھ رقم بچا بچا کر شیرینی پکانے کے خیال سے الگ رکھی ہے تو اسے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ یہ رقم اگر روزانہ کی ضروریات سے زائد نہ ہوتی تو گھر میں کیسے پڑی رہتی۔

یہ ابوبکر صدیق، فاروق اعظم (رضی اللہ عنہما) وغیرہ کی زندگی تھی جس نے شہنشاہیت کے سامنے فقیری کو پسند کر کے عوام اور غرباء کی حاجت سمجھی، خود بھوکے رہے اوروں کو کھلایا، خود ننگے رہے اوروں کو پہنایا، خود پیدل چلے اوروں کو سواری دی، خود دھوپ میں رہے اوروں کو سایہ بخشا۔

☆☆☆☆☆
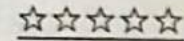
اسلام کے مالی مصارف

حضرت عمر بن عبدالعزیز اور عراق کے گورنر عبدالحمید بن عبدالرحمٰن کی خط و کتابت

عمر: لوگوں کے مقررہ وظائف فوراً تقسیم کر دو۔

عبدالحمید: آپ کے حکم کے بموجب لوگوں کے وظائف میں نے نکال دیئے، مگر پھر بھی بیت المال میں کافی رقم موجود ہے۔

عمر: صوبۂ عراق میں پتہ چلاؤ، جتنے لوگ اس قسم کے ملیں کہ بے جا خرچ اور ناسمجھی سے بچنے کے باوجود ان پر قرضہ ہے ان کی طرف سے بیت المال سے قرضہ ادا کرو۔

عبدالحمید: ''میں نے ایسے تمام لوگوں کا قرضہ بیت المال سے ادا کر دیا، مگر اس کے باوجود مال بچ گیا''۔

عمر: اچھا اب پتہ لگاؤ کہ تمہارے حلقے میں کتنے جوان غیر شادی شدہ ہیں اگر وہ نکاح کرنا چاہیں تو ان کے نکاح کا انتظام کرو، اور مہر بیت المال سے ادا کرو۔

عبدالحمید: ''جتنے نوجوان اس قسم کے ملے میں نے سب کا نکاح کر دیا، اس کے باوجود مال بچ گیا''

عمر: ''اب اپنی قلمرو کے غیر مسلموں کو دیکھو کہ ان میں سے جو لوگ تنگدستی کی وجہ سے کھیتی

بازی کرنے میں سست ہو گئے انہیں اتنا قرضہ بانٹ دو کہ وہ آسانی سے کاشتکاری کر سکیں، کیونکہ وہ ہماری مستقل رعایا ہیں، دو ایک سال کا معاملہ نہیں ہے"۔

(کتاب الاموال ص:۲۵۱)

یہ کوئی خاندانی خط وکتابت نہیں ہے، جس میں گھر کا مالک اپنے ماتحت کو ہدایت کرتا ہے کہ یوں نظام خانہ داری قائم رکھو بلکہ اسلامی سلطنت کے خلیفہ برحق کا فرمان ہے عراق کے گورنر کے نام جو ایک وسیع وعریض خطۂ ارض کا نظام سنبھال رہا ہے، جس کے قلمرو میں کافر مسلمان سب ہی بستے ہیں۔

اس خط وکتابت کے ہر پہلو پر غور کرو، دولت کی بہتات اس کے مصارف کی تقسیم، اسلام کا نظام حکومت، خلیفۂ اسلام کا طرز حکمرانی، ماتحت گورنروں کا نمونۂ عمل، عوام کی ضروریات کا لحاظ، ان کی خبر گیری اور غیر مسلموں کی ذمہ داری کا احساس، غرض کہ پوری اسلامی اسٹیٹ کی آئینہ داری اس خط وکتابت میں موجود ہے۔

یہ رویہ تھا ہر چھوٹے بڑے مسلمان کا اپنوں کے ساتھ، غیروں کے ساتھ، جس بنا پر زبان خلق پکار اٹھی:

"بها قامت السموت والارض"

اسی حق وصداقت اور انصاف کی وجہ سے زمین وآسمان قائم ہیں۔

☆☆☆☆☆

حب دنیا اور کراہیت موت

جب کسی قوم پر براوقت آنے والا ہوتا ہے تو سب سے پہلے اس کے ذہنی ارتقاء پر زد پڑتی ہے اور پھر بڑی آسانی اور سہولت کے ساتھ وہ قوم موت کی تمام وادیوں سے خوشی سے گذر کر اپنی زندگی کی راہ ختم کر دیتی ہے، یہی وجہ ہے کہ ہمیشہ سے جابر ومسلط قوم مقابل قوم کے قوائے ذہنیہ پر اثر انداز ہوتی ہے اور دس بیس سال نہایت سکون واطمینان سے ذہنوں کے سانچے میں کم ہمتی، کم مائیگی اور کم فہمی کی جیتی جاگتی تصویریں ڈھل جاتی ہیں جن کی دل فریب رنگینیوں کے سامنے قوم دوسری حقیقتوں کا تصور تک کرنے سے مجبور ہو جاتی ہے۔

بنی اسرائیل کی مثال:

دیکھو! بنی اسرائیل کو فرعون نے سب سے پہلے اسی حربے سے فتح کیا، خدائی کا دعویٰ کر کے ان کے قوائے ذہنی میں اپنے متعلق مافوق الفطرت قوت کی آمیزش سے تمام ذہنی نشو ونما کو ختم کر دیا، اور اس کے بعد پھر اس کے لئے آسان ہو گیا کہ بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کر ڈالے اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھے، کسی اسرائیلی کی کیا مجال کہ اپنے رب اعلیٰ کی اس "خطرناک مرضی" کے خلاف ایک آواز بلند کر سکے، اجتماعی طور سے اس کی بغاوت کا تصور تو دور کی بات ہے۔

اس ذہنی کم نصیبی نے دنیا کی افضل ترین قوم کو جو انبیاء کا گھرانا تھی جو اوامر الٰہیہ کی حامل تھی اور جس کے سر خلافت ارضی کی ذمہ داری ڈالی گئی تھی، اس طرح کم ہمت بنا دیا کہ اس

ذلت کی زندگی پر وہ قوم راضی ہوگئی، لاکھ ان کے بچے قتل ہوں، لاکھ ان کی عورتیں بے حرمت کی جائیں، لاکھ انہیں بیگاری اور چاکری میں رکھا جائے، مگر اس فرعونی قوت کے خلاف وہ ایک لفظ کہنے کی جرأت نہیں پاتے تھے۔

بنی اسرائیل جیسی معزز اور شریف قوم کا کیا گناہ تھا جس کی سزا انہیں دنیا میں ذلت مل رہی تھی، یہی کہ انسانی زندگی کا معیار ان کے ہاتھوں سے جاتا رہا، شرافت، عزت نفس، خودداری اور عزیمت کی تمام راہ ان کے لئے بند ہوگئی، اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ آج تک یہ قوم دنیا میں عزت کا مقام نہ پاسکی۔

درحقیقت ان تمام ناگوار معاملات کی ذمہ داری یہودی قوم کی دو قومی بدخصلتی پر عائد ہوتی ہے:

ایک ذلت ورسوائی کے باوجود دنیاوی زندگی کی اس طرح محبت کہ لاکھ ذلیل وخوار ہوں گے مگر دنیاوی حکومت سے بیزاری کا اظہار نہ کریں گے، ہر حال میں، قوت مسلط کے وفادار رہیں گے، فرعون کی خدائی کا انکار کسی قیمت پر نہ کریں گے، وہ چاہے ان کے ساتھ جو سلوک کرے اس سے منحرف نہ ہوں گے، اس کی بخشی ہوئی زندگی کو غنیمت سمجھیں گے، یعنی حب دنیا کا اندھا جذبہ، دوسری چیز مرنے کے لئے تیار نہ ہونا، بنی اسرائیل کسی قیمت پر فرعونیوں سے جنگ کرنے پر تیار نہ تھے، میدان تیہہ میں جنگی تربیت کے باوجود زندگی کی صلاحیت اس طرح گم ہوچکی تھی کہ مرنے اور لڑنے کا نام سن کر کانپ جاتے تھے۔

پس یہ دو قومی جرم تھے جو ایک بنیادی کمزوری کے سبب ان میں پیدا ہوگئے تھے، یعنی ذہنی مرعوبیت کے باعث ''حب دنیا'' اور ''کراہیت موت'' کا مرض یہودی قوم میں عام تھا، جس کا نتیجہ آج بھی اس ترقی کے دور میں نگاہوں کے سامنے ہے، کہ یہودی قوم آج تک موت کی وادی سے نکل کر زندگی کی شاہراہ پر نہ آسکی، آج ان کو جس قسم کی آزادی ملی ہے دنیا

کی نگاہ سے پوشیدہ نہیں ہے۔

خوداعتمادی کا فقدان

بہر حال حب دنیا اور کراہیت موت، یہ دونوں بیماریاں جس قوم میں بھی پائی جائیں گی اس کا حشر وہی ہوگا جو ہونا چاہئے یہودی قوم کی کوئی خصوصیت نہیں۔

دنیا کی محبت اور موت کا ڈر درحقیقت یہ دونوں چیزیں انہی لوگوں کے اندر پیدا ہوں گی جنہیں اپنے پر اعتماد نہ ہوگا، جن کی خودداری ختم ہوچکی ہوگی، اور جو اپنے اندر جینے کی سکت نہ پاتے ہوں گے اس لئے وہ بہر حال جینے کو غنیمت سمجھیں گے، عزت وذلت کا ان کے لئے کوئی سوال ہی پیدا نہ ہوگا۔

ایسے لوگ دنیا میں ذلیل رہیں گے، دوسری قومیں انہیں ہر موقع پر اچکنے اور جھپٹنے کے لئے تیار رہیں گی اور وہ بڑی آسانی سے اپنی قربانی دینے کے لئے آگے بڑھیں گے۔

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی تنبیہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یوشک الامم تداعی علیکم کما تداعی الا کلة الی قصعتها ،

وہ وقت آنے والا ہے کہ دوسری قومیں مسلمان قوم کو اس طرح کھائیں گی جس طرح کھانے والے رکابی سے کھانا کھا جاتے ہیں۔

یہ سن کر ایک صحابی نے ازراہ تعجب آپ سے دریافت کیا، یارسول اللہ! کیا مسلمانوں کا یہ حال ان کی کمی کی وجہ سے ہوگا؟ آپ نے فرمایا:

بل انتم یومئذ کثیر ولکنکم غثاء کغثاء السیل ولینزعن اللہ من صدور عدوکم المھابۃ منکم ولیقذف اللہ فی قلوبکم الوھن ،

نہیں بلکہ مسلمان اس وقت بہت زیادہ ہوں گے لیکن دین کی بے مائیگی کی وجہ سے سیلاب کے خس وخاشاک سے زیادہ ان کی حیثیت نہ ہوگی دشمنوں کے دل سے ان کا خوف نکل جائے گا اور خود ان کے دل میں ''وھن'' گھس جائے گا۔

صحابی نے دریافت کیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ''وھن'' کیا ہے؟ آپ نے فرمایا:

حب الدنیا وکراھیۃ الموت ''دنیا کی محبت اور موت سے کراہیت''

(ابوداؤد)

کائنات انسانی کے مصلح اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد موجودہ دور کے مسلمان غور سے پڑھیں اور زمانہ حال پر اسے پرکھیں کہ کس طرح حرف بحرف پورا اُترتا ہے۔

آج ہندوستان میں مسلمانوں کی بھیڑ ہے مگر کام کے مسلمان خال خال ہیں، دنیاوی اغراض، شہوت پرستی خودغرضی، سرمایہ پرستی عام ہیں جن میں پھنس کر مسلمانوں نے اپنا مقام چھوڑ دیا ہے اور صرف انہیں دنیاوی چیزوں کی محبت ان کے دل میں رہ گئی، حق وصداقت کے لئے مرنا انسانیت کی بحالی کے لئے جان دیدینا، خدا اور رسول کے حدود کی حفاظت پر ختم ہوجانا اسلام کے جملہ تقاضوں کی ادائیگی کے لئے تیاری یہ تمام زندگی کی علامتیں ایک ایک کرکے گم ہوگئی ہیں اپنے اعمال وکردار سے اپنی موت کا سامان بہم ہورہا ہے لیکن صورت حال کی تبدیلی کے لئے کوئی کوشش نہیں کیونکہ زندگی بہرحال گذررہی ہے۔

☆☆☆☆☆

اجتماعی بربادی کے اسباب

ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق تقریر کرنے کے لئے کھڑے ہوئے، آپ نے حمد وصلوٰۃ کے بعد مجمع کو مخاطب کرکے فرمایا: لوگو! تم اس آیت کی تلاوت تو کرتے ہی ہو:

﴿ یا یھا الذین امنوا علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اھتدیتم ﴾

مسلمانو! اپنے کو مضبوطی سے سنبھالے رکھو، ایسا نہ ہو کہ ہدایت یاب ہونے کے بعد کوئی گمراہ آدمی تمہیں گمراہ کردے۔

ہم لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

ان الناس اذا راوا المنکر فلم یغیروہ اوشک ان یعمھم اللہ بعقابہ ،

جب عام لوگ خلاف شرع بات کو دیکھ کر اس کے مٹانے کے درپے نہ ہوں تو پھر اللہ تعالیٰ اس کی سزا میں عام لوگوں کو مبتلائے عذاب کرتا ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے:

''اللہ تعالیٰ کا قانون مجازات ایسا نہیں کرتا کہ مخصوص لوگوں کی برائی پر تمام لوگوں کو پکڑے البتہ جب معاصی کا عام ظہور ہونے لگے اور عوام میں ان برائیوں سے کوئی جھجک نہ ہو تو ایسی حالت میں عام لوگ بھی عقوبت کے سزاوار ٹھہر جاتے ہیں۔'' (کتاب الخراج)

یہ ہیں دنیا میں قومی اور اجتماعی بربادیوں کے اسباب، تم اقوام عالم کی تاریخ پڑھ جاؤ اور

ان کے عروج وزوال کی داستانوں کو پرکھ جاؤ، ہر جگہ اور ہر دور میں ان کی تباہی وبربادی کی جڑ یہی ملے گی کہ جب قوم کی قوم معاصی میں مبتلا ہو کر احساس نفرت تک کھو دیتی ہے تو پھر جس طرح کی برائی ہوتی ہے اس طرح کی تباہی سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔

خدا کا قانون مجازات اپنے نظامِ قضا وقدر کی حدود میں کام کرتا ہے، وہ ایسا نہیں کرسکتا کہ شخصی بے راہ روی اور انفرادی گمراہی کی سزا ساری قوم کو دے۔

جب تک عوام بدکاری کی اس حد میں رہیں کہ انہیں جماعتی گنہگار نہ تصور کیا جائے اس وقت تک نظام قدرت کا قانون جزا صرف مجرمین تک محدود رہتا ہے، لیکن جب معاملہ یہاں تک پہنچے کہ اشخاص وافراد کی حرکت مجموعی رنگ میں قومی اور اجتماعی مرض کی شکل اختیار کرلے، تو پھر ضروری ہوجاتا ہے کہ قوم سزا کی موت مرے۔

مرض کی اس نازک گھڑی کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ قومی اور ملی گھرانے کا ہر فرد صحت وسقم کی کشائش میں مبتلا ہی ہو، بلکہ بظاہر اچھے خاصے افراد پر بھی قومی موت کے سکرات طاری ہوجاتے ہیں اور بالکل یہی معاملہ ہوتا ہے کہ گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس جاتا ہے، مگر بے گناہ افراد خدا کے یہاں اپنی مظلوم موت کا اجر پاتے ہیں حدیث شریف میں ہے۔

وقع اجرہٗ علی اللہ، ایسا نیک آدمی جو گنہگاروں کے ساتھ ختم ہوجاتا ہے اللہ تعالیٰ کے یہاں اجر کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

عمومی عذاب میں اگرچہ چند افراد مبتلائے جرم نہ تھے لیکن انہوں نے قوم کی بدکرداری کی صورت حال سے کوئی اثر نہ لیا، اس کے خلاف ان میں نفرت واباء کا کوئی داعیہ پیدا نہیں ہوا، اگرچہ خود بچے رہے، لیکن قوم کے بچانے کی انہوں نے کوئی فکر نہ کی، اس لئے اس جرم کی سزا انہیں بھگتنی پڑی اور اگر عمومی برائیوں کے خلاف مخصوص لوگوں میں جذبۂ نفرت موجود ہے اور وہ اس کے مٹانے کی کوشش کررہے ہیں تو پھر خدا پوری قوم کو سمجھ بوجھ کی مہلت دے دیتا

ہے، اگر ناصحوں کی نصیحتیں کارگر ہوجاتی ہیں تو قوم کو شفایابی کا پورا موقعہ بھی دیتا ہے۔

اب مصلح کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد مبارک کو دیکھو جس میں آپ نے امت مسلمہ کو اس حقیقت سے آگاہ فرمایا ہے کہ:

تم لوگوں میں سے جو شخص بھی کوئی برائی دیکھے تو اسے چاہئے کہ اسے اپنے زور بازو سے مٹانے کی کوشش کرے، اگر وہ اپنے اندر اس کے مقابلہ کی قوت نہیں پاتا تو پھر زبان سے اس کی برائی بیان کرکے عوام کو اس کے نتائج سے روکے اور اگر اصلاح قوم کی اتنی بھی سکت نہیں پاتا تو پھر کم ازکم یہی کرے کہ خود اس برائی سے بچنے کے لئے اپنے دل میں اسے برا سمجھے اور یہ درجہ اس کے ایمان کی آخری منزل ہے۔

لیکن اگر قوم میں ایسے افراد ختم ہوچکے ہیں کہ عام برائیوں کے خلاف دل میں نفرت تک نہیں رکھتے تو پھر اس کے کرنے والے اور ان میں کوئی فراق نہیں رہتا۔

ایک برائی کو اپنے عمل سے کرتا ہے اور دوسرا اپنی خاموشی سے پس دونوں تباہی کے مستحق ٹھہرے۔

اس حقیقت کے پیش نظر تم آج اپنی زندگی اور قوم کی زندگی پر ایک احتسابانہ نگاہ ڈال کر بتا سکتے ہو کہ تم تباہی کی کس منزل پر ہو؟۔

☆☆☆☆☆

اسلامی زندگی کی ایک مثال

قوم کے افراد کی زندگی درحقیقت قوم کی زندگی ہوتی ہے اگر افراد کے چہروں پر بشاشت مسرت، اور زندگی کے آثار نظر آتے ہیں تو یہ بات افراد سے زیادہ قوم کے لئے حسن و جمال اور فضل و کمال کا باعث ہے اور اگر افراد کے بشروں پر غم و الم اور بدحالی کی روسیاہی نمودار ہے تو قوم کسی مہلک بیماری میں ضرور مبتلا ہوگی، اسی طرح اگر لوگوں کی سیرتیں بلند ہیں، قوی مضبوط ہیں اور اخلاق و اعمال کی خوبیوں کے وہ لوگ نمونہ ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی قوم اولوالعزم ہے جو اس ہمت ہے اور اگر ان کے کیرکٹر گرے ہوئے ہیں اعمال گھناؤنے ہیں اور حرکات ناپسندیدہ ہیں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ان کی قوم بدکار، بدترین مخلوق اور مردہ ہے۔

ایک مسلمان کی زندگی کا ہر گوشہ دوسرے مسلمان کے لئے آئینہ ہے، کیونکہ اس کی زندگی صرف اپنی انفرادی زندگی نہیں ہے، بلکہ مسلمان قوم کی زندگی ہے اور وہ اپنے حرکات و سکنات کے ذریعہ اپنی ذات سے زیادہ اپنی قوم پر روشنی ڈالتا ہے، اسی حقیقت کو اس حدیث میں واضح کیا گیا ہے:

المسلم مرآة لأخيه مسلمان اپنے بھائی کے لئے آئینہ ہے۔

پس جو کچھ کرو پہلے سوچ لو کہ اس کام کا اثر تم سے زیادہ تمہارے مسلمان بھائی پر پڑیگا، اگر تم برا کام کرتے ہو تو سمجھ لو کہ یہ برائی تمہاری انفرادی برائی نہیں ہے بلکہ اجتماعی جرم ہے، اگر تم نے اپنے اعمال سے غیروں کو ہنسنے کا موقع دیا تو تم نے اپنی نہیں بلکہ اپنی قوم اور اپنے

مذہب کی توہین کی، دیکھ لو!!! مسلمان چور، مسلمان ڈاکو، مسلمان غنڈہ، مسلمان فقیر اور مسلمان بے روزگار وغیرہ الفاظ زید عمرو بکر سے زیادہ اسلام اور مسلمان کے لئے باعث شرم وحیا ہیں۔

آج کی بات نہیں، کبھی کا ذکر ہے کہ کفار کی جس بستی میں ایک مسلمان چلا جاتا تھا، وہ اپنی قوم کا نمونہ ہوتا تھا، اس کی تنہا ذات اپنے محاسن و معالی کی وجہ سے کفار کو مجبور کر دیتی تھی کہ سب کے سب اس کے گرویدہ ہو جائیں اور مسلمان اور اسلام کو دعائیں دیں۔

مگر آج مسلمان قوم بحیثیت مجموعی شہروں، بازاروں اور گلی کوچوں میں اپنی بد اخلاقی سے اعلان کرتی ہے کہ یہ ہے مسلمانوں کا مقام زندگی اور ان کے اخلاق جنہیں دیکھ کر دنیا کو مسلمان سے کیا اسلام ہی سے نفرت کرنی چاہئے۔

آج ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے محاسن و اخلاق کا نمونہ کیا ہوگا پوری قوم ہی اپنی ذلت و رسوائی کا آپ آئینہ بنی ہے۔

اللہ رحم کرے اس قوم پر جو اسلامی رفعت سے منہ موڑ کر اپنی ذلیل زندگی کو فخر کے ساتھ اجاگر کر رہی ہے۔

آؤ میدان جنگ میں اسلامی زندگی اور غیر اسلامی زندگی کا نمونہ دیکھو کہ اسلام کے خوددار سپاہی یا پیغمبرانِ محبت کس طرح اپنے اصول اور مقام پر چٹانوں کی طرح ثابت قدم ہیں، اور کفر کے درندے یا فرزندان جور و ستم کس طرح اپنی بہیمت کا مظاہرہ کر رہے ہیں، شاید اس موازنہ و مقابلہ کے بعد تمہارے ذہنوں میں غور و فکر کے لئے کوئی راہ پیدا ہو جائے، یرموک کا میدان جنگ ہے رومی عیسائیوں اور عربی مسلمانوں کا مقابلہ ہے۔

ایک طرف رومی لشکر کے تربیت یافتہ صلیبی سپاہی سرود و نغمہ، فراخی و عیش کوشی اور شراب و کباب کے دور میں مست ہیں، پشت پر طاقت ہے، عیش کی گرم بازاری ہے اور میدان جنگ عشرت کدہ بنا ہوا ہے دوسری طرف مسلمان مجاہدوں کی ایک جماعت ہے جس میں تسبیح و تہلیل،

فاقہ کشی اور بے سروسامانی ہے، ایک پھٹا پرانا خیمہ لگا ہے، جس کی چھت مجاہدین اسلام کے سروں سے لگ رہی ہے، اندر کچھ مقدس انسان ہیں جن کے چہرے فاقوں سے زرد ہیں جن کے بدن پر کئی پیوند کے کپڑے ہیں، اور جو بڑی بے نفسی سے سرنیچا کئے باچشم تر حلقہ باندھے ہوئے بیٹھے ہیں، بیچ میں ایک نحیف الجثہ انسان بیٹھا ہے جو منہ سے کچھ کہہ رہا ہے اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں، ساتھ ہی سب کے سب رو رہے ہیں۔

''کل کفر واسلام کا مقابلہ ہے، خدا کی وحدانیت کا نعرہ معبد تثلیث میں بلند کرنا ہے، اسلام کی زریں تعلیمات کفر کے اندھیروں میں پھیلانی ہیں اور یہ خدمت ہم چند بیکس و بے یارومددگار انسانوں سے لی جانے والی ہے، ہمارے لئے یہ امتحان وآزمائش کی گھڑی ہے جسے خدا ہی اپنی امداد سے ہٹا سکتا ہے، اے خدا! ہم مجبوروں کی لاج اور تیرے دین کی عزت تیرے ہاتھ میں ہے خداوندا! ہمیں فتح مبین دے''۔

یہ تھے ارادے اور جذبے، جن کی تکمیل کے لئے یہ مقدس اجلاس طلب کیا گیا ہے اور جن کے لئے یہ جنگی پروگرام بن رہا ہے۔

یہ ہے اسلامی لشکر کا سپہ سالار اور یہ ہیں اس کے ماتحت سپاہی، دیکھو میدان جنگ ہے، دنیا کی اہم طاقت سے مقابلہ ہے، مگر خدا کے بندوں نے اپنا مقام بندگی نہ چھوڑا، وہ اپنے نصب العین سے ایک انچ نہ ہٹے اور اپنے ارادے سے ایک منٹ کے لئے بھی غافل نہ ہوئے یکجا ہو کر احتساب ہو رہا ہے زندگی کا جائزہ لیا جا رہا ہے اور نفس سے سوال ہو رہا ہے کہ یہ ہنگامۂ جنگ ہمیں ہمارے مقام سے دور تو نہیں کر رہا ہے؟ اس جنگ کا مقصد دین اسلام کی اشاعت کے علاوہ کچھ اور تو نہیں ہو رہا ہے؟ ہمارے اخلاق وکردار میں کوئی تبدیلی تو پیدا نہیں ہو رہی ہے؟ ڈر ہے کہ کہیں پائے استقامت میں لغزش نہ آئے غیر کا خوف وجہ شکست نہ بن جائے اپنی خود غرضی جہاں کو وبال جان نہ بنا دے۔

اسی دوران میں رومی سفیر آیا اور اس نے پوچھا کہ تمہارا قائد اور امیر کون ہے؟

لوگوں نے اشارہ کیا کہ ''یہ ہیں''

یہ عالم دیکھ کر جب سفیر واپس گیا تو اس نے رومیوں سے کہہ دیا کہ یقین کر لو کہ جس قوم کی عزیمت، خداترسی، اور احتساب نفس کا یہ عالم ہے، وہ قوم میدان جنگ میں فاتح رہے گی اور تم مفتوح رہو گے۔

یہ تھے اسلام کے حقیقی ہتھیار جو میدانوں اور گھروں میں یکساں کام کر رہے تھے، اور ایک سے لے کر ہزاروں دل فتح کر لیتے تھے۔

کیا آج بھی تم اپنے قائدوں اور ہجومیوں کی زندگیاں اسی سانچے میں ڈھلی پا رہے ہو؟ اگر نہیں تو یاد رکھو یہ جہاد آزادی غلامی کی جہنم کا پیش خیمہ ہے، کیونکہ بدکاری کے جو آتشیں اسلحہ تمہارے پاس ہیں وہ خود تم میں ہی اپنا کام کر رہے ہیں، جس کا نتیجہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ: ﴿یخربون بیوتھم بایدیھم﴾ اپنے ہاتھوں اپنے گھر وندے خود اجاڑ رہے ہیں۔

☆☆☆☆☆

تماشائے پاکبازی

خلیفہ رسول اللہ سیدنا صدیق اکبرؓ کی خلافت کا زمانہ ہے، اسلامی برکات کا دھارا سرزمین عجم کی طرف بہہ رہا ہے، اور اللہ کی تلوار خالد بن ولیدؓ اپنی پوری آن بان کے ساتھ برکات خداوندی کے پیاموں کو لے کر مقام حیرہ میں آگئے ہیں، یہاں کے باشندے رومی محاربات کی خوں آشامیاں دیکھ چکے ہیں، شیطانی جنگوں کا منظران کی نگاہوں کے سامنے ہے مسلمانوں کے شہر میں داخل ہوتے ہی ہر طرف خوف وہراس پھیل گیا حیرہ کے تینوں بڑے قلعے قصر ابیض قصر عدلس اور قصر ابن بقیلہ بند کر دیئے گئے کہ کہیں عربی فوج بھی، وہی جنگی رنگ نہ اختیار کرے جو شاہان عجم کا شیوہ رہا ہے، لوگوں کو کیا معلوم کہ یہ جنگی فوج نہیں رحمت کے مبلغ ہیں یہ دنیا کی اصلاح کا بیڑا لے کر اٹھے ہیں اور اللہ کی حجت اس کے بندوں کے سامنے پوری کرنے آئے ہیں، اسلامی لشکر سے پہلا واسطہ پڑا ہے مسلمانوں کی اجتماعی شکل پہلے دیکھنے میں آئی ہے اور شیر صفت انسانوں کا روباہ صفت آدمیوں سے ابتدائی سابقہ ہے، اہل حیرہ کی پریشانی بجا ہے، ان کا خوف طبعی تقاضے کے عین مطابق ہے، خدا جانے یہ عربی لشکر ان کے ساتھ کس نوعیت سے پیش آئے گا۔

کسی کی ہمت نہیں پڑتی کہ قلعہ سے باہر نکل کر بات کرے گھیرنے والوں کا منشا دریافت کرے، لیکن یہ حالت کب تک رہے گی، ان لشکریوں کی آزمائش ضروری ہے تاکہ ان کا مقصد معلوم ہو کہ کس نیت سے یہ لوگ یہاں آئے ہیں بڑے لوگ ان کے پاس جائیں تو یقیناً قتل

کر دیئے جائیں گے، لہٰذا مناسب ہے کہ ننھے بچے قلعے کے اوپر سے اپنی معصوم صورتیں انہیں دکھائیں، اگر یہ لوگ لوٹ مار کرنے والے ہوں گے تو ان کے دل میں رحم نہ ہوگا، بچوں کی معصوم صورتیں ان کے دلوں کو نرم نہ کر سکیں گی، ان لوگوں کے آزمانے کی یہی شکل ہے۔

چنانچہ جب معصوموں کی صورتیں نظر آئیں تو امیر لشکر حضرت خالدؓ نے اپنے ایک ذمہ دار آدمی کو ان کے پاس بھیجا اور اس کے ذریعہ یہ پیغام دیا: یخرج الیّ رجل منکم اکلمہ" تم میں سے ایک مرد میرے پاس آجائے میں اس سے صرف چند باتیں کرنا چاہتا ہوں"۔

یہ جملہ سن کر ایک شخص نے آکر کہا کہ "ہاں اگر اس شرط پر کہ جو شخص آپ سے گفتگو کرنے کے لئے آئے اسے ہر طرح کا امن ہو"۔

حضرت خالد نے فرمایا "ہاں امن ہے۔"

اس گفتگو کے بعد دو ذمہ دار شخص آئے، ایک عیسائی مذہب کا سب سے بڑا اور معزز عالم عبدالمسیح بن حیان ابن بقیلہ دوسرا حیرہ کا گورنر کسریٰ کا نائب ایاس بن قبیصہ طائی، حضرت خالد نے دونوں کو اپنا پیغام سنایا:

"میں تمہیں خدا اور اسلام کی دعوت دیتا ہوں، اگر تم اسے مان لیتے ہو تو تمہیں بھی وہی رعایتیں حاصل ہوں گی جو مسلمانوں کو حاصل ہیں اور تمہارے فرائض وہی ہوں گے جو مسلمانوں پر عائد ہوتے ہیں اگر اس سے انکار ہے تو پھر جزیہ دو اور اگر اس سے بھی انکار ہے تو پھر تیار ہو جاؤ، میں تم لوگوں کے پاس ایسے انسانوں کو لے کر آیا ہوں جنہیں اپنی موت کی حرص تمہاری زندگی کی حرص سے بدرجہا زیادہ ہے"۔

اسی اثنائے گفتگو میں حضرت خالد نے دیکھا کہ عبدالمسیح کے ہاتھ میں ایک شیشی ہے، آپ نے دریافت کیا کہ یہ کیا چیز ہے؟

اس نے کہا اس میں زہر ہے، اگر میری منشا کے مطابق آپ سے صلح نہ ہوئی تو اسے پی کر

جان دیدوں گا اور اپنی قوم کے پاس ایسے شرائط صلح لیکر نہ جاؤں گا جنہیں وہ لوگ ناپسند کرتے ہوں۔

یہ سن کر حضرت خالد نے اس کے ہاتھ سے زہر لے لیا اور یہ کہہ کر اسے پی گئے :.....!

''اس خدا کے نام پر یہ زہر پیتا ہوں جس کے نام کی برکت سے زمین وآسمان کی کوئی شئی ضرر نہیں پہنچا سکتی''۔

یہ تماشہ دیکھ کر اسقف اعظم نہ ٹھہر سکا اور اپنی قوم کے پاس آیا اور ان سے صاف صاف کہہ دیا:

''میں ایسے انسانوں سے مل کر آرہا ہوں جن میں زہر بھی اپنا کام نہیں کرتا''۔

اب صرف حیرہ کے گورنر، حیرہ کے چند رؤسا اور اسلامی لشکر کے امیر میں گفتگو ہونے لگی، اور جزیہ کا معاملہ طے ہو گیا اور وہیں ایک لمبا چوڑا معاہدہ لکھا گیا جس میں ایک بات یہ بھی لکھی گئی:

''اور میری طرف سے یہ بھی انہیں حق ہے کہ ان لوگوں میں جو بوڑھا آدمی کام کرنے کی طاقت نہ رکھے یا کسی کو کوئی ناگہانی مصیبت پیش آجائے یا مالدار ایسا محتاج ہو گیا کہ خود اس کے ہم مذہب اسے خیرات دینے لگے تو ان سب صورتوں میں ایسے شخص کا جزیہ میں ساقط کرتا ہوں بلکہ وہ شخص اور اس کا خاندان جب تک دار الہجرت یا دار الاسلام میں سکونت پذیر رہیگا اسلامی بیت المال سے اس کی پرورش کی جائیگی''۔

یہ دیوتا کے قصے نہیں ہیں، بلکہ انسانوں کے واقعات ہیں، یہ عہد قدیم کی من گھڑت روایات نہیں ہیں بلکہ انسانی ترقی کی بنیاد رکھنے والوں کے کارنامے ہیں، یہ ان انسانوں کی زندگی کے سچے واقعات ہیں جن کے لئے دنیا آج ماتم کناں ہے جن کی کمی کو دور حاضر بڑی شدت سے محسوس کر رہا ہے اور جن کے نقش قدم پر چلنے والے شاید خال خال تو دنیا میں ہوں

لیکن کسی اجتماعی شکل میں عنقا ہیں۔

یہ مقدس انسان مافوق الفطرت انسان نہ تھے، آدم ہی کے بیٹے اور حوا کے لڑکے تھے، جس طرح ایک آدمی زندگی بسر کرتا ہے بعینہ اسی طرح وہ لوگ بھی زندہ تھے۔

البتہ آج کے انسانوں میں اور ان میں فرق ضرور ہے، وہ مسلمان تھے، موحد تھے، اسلام کے مبلغ تھے، توحید کے داعی تھے، کائنات کے آخری اور ابدی مصلح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے سچے آئینے تھے، ملت اسلامیہ کی انفرادی اجتماعی اور ملکی وسیاسی تعلیمات کے حقیقی پیرو تھے۔

☆☆☆☆☆

امام عادل

حضرت عمر بن عبدالعزیز جب ۹۹ھ میں تخت خلافت پر متمکن ہوئے تو حضرت حسن بصری کی خدمت میں لکھا کہ ”سلطان اسلام اور امام عادل کے فرائض کیا ہیں، اس پر امت مسلمہ کی کون کون ذمہ داری ہے اور اسے کس قسم کا ہونا چاہئے؟“

اس کے جواب میں امام حسن بصری نے ذیل کا مفصل خط تحریر فرمایا:

یہ خط ایک مسلمان بادشاہ کی زندگی کا لائحہ عمل ہے اسلامی سلطنت کا آئینہ دار ہے وھو ھذا:-

امام عادل کی حیثیت:

امیر المومنین! اللہ تعالیٰ نے امام عادل کو ہر قسم کی کجی کے لئے استقامت، گمراہی کے لئے ہدایت، فساد کے لئے اصلاح، ضعیف کے لئے قوت، مظلوم کے لئے انصاف اور بے پناہ کے لئے پناہ بنایا ہے۔

گلہ بان کی مثال:

امیر المومنین! امام عادل کی مثال اس گلہ بان کی سی ہے جو اپنے ریوڑ کے لئے بہترین چراگاہ تلاش کرتا ہے، اور انہیں ہلاکت خیز چراگاہوں سے ہانک کر مامون و محفوظ چراگاہ میں

لاتا ہے درندوں سے ان کی نگہداشت کر کے پرورش کرتا ہے، سردی، گرمی کی تکلیف سے ان کو بچاتا ہے۔

باپ کی مثال:

امیر المومنین! امام عادل اس مشفق باپ کی طرح سے ہے جو اولاد کے لئے خود کما کر بچپن میں ان کی پرورش کرتا ہے، بڑے ہونے پر ان کو تعلیم و تربیت دیتا ہے، اپنی زندگی بھر ان کے لئے کماتا ہے اور مرنے کے بعد ان کے لئے خزانہ بھی چھوڑ جاتا ہے۔

ماں کی مثال:

امیر المومنین! امام عادل رحم دل ماں کی طرح ہے، جس نے تکلیف برداشت کر کے حمل کا بار اٹھایا، کراہ و درد سے وضع حمل کیا، اپنے سینے کے خون سے اس کی پرورش کی بچے کی بیداری سے اس کی نیند جاتی رہی، کبھی دودھ پلایا، کبھی چھڑایا، اس کی تکلیف سے غمگین رہی، اس کی راحت سے خوش ہوئی، اگر بچے کو چین ہے تو اسے بھی سکون ہے اور اگر اسے بیقراری ہے تو اسے بھی قرار نہیں۔

امام عادل کے فرائض عوام امت میں:

امیر المومنین! امام عادل یتیموں اور بیواؤں کا وصی اور نگہبان ہوتا ہے، کمزوروں اور چھوٹوں کی پرورش کرتا ہے اور بڑوں کی امداد کرتا ہے۔

امیر المومنین! امام عادل جسم امت میں دل ہے، جس کی خرابی سے امت کی خرابی ہوتی

ہے اور جس کی اصلاح سے امت میں اصلاح ہوتی ہے، صلاحیت وفساد کا سرچشمہ یہی ہے۔

امام عادل خدا اور بندے کے درمیان واسطہ ہے:

امیر المومنین! امام عادل بندوں اور خدا کے درمیان ایک واسطہ ہے، جو اللہ کی بات سن کر دوسروں کو سناتا ہے، جو خدا کو دیکھ کر دوسروں کو دکھاتا ہے اور جو خدا کی راہ پر چل کر دوسروں کو اس پر چلاتا ہے۔

امام عادل کی بے راہ روی:

امیر المومنین! خدا کی دی ہوئی سلطنت میں اس غلام کے مانند ہرگز نہ ہونا جس کے مالک نے اپنی امانت سونپ دی اپنے اہل وعیال کا محافظ بنا دیا، اس کے بعد غلام نے اپنے آقا کی امانت ضائع کر دی، اس کے اہل وعیال کو پراگندہ کر دیا اور اپنے آقا کا سب کچھ برباد کر کے اس کا خاندان تباہ کر دیا۔

امام عادل حدود اللہ کا محافظ ہے:

امیر المومنین! فواحش وخباثت کی روک تھام کے لئے اللہ تعالی نے قیود وحدود نازل فرمائی ہیں تاکہ بندے ان سے گذر کر شر وفساد کی گرم بازاری نہ کر سکیں، اگر ان قیود وحدود کا نگراں اور ان کا نافذ کرنے والا خود ہی ان کی خلاف ورزی کا مرتکب ہو تو پھر کیسے کام چل سکتا ہے؟ قصاص اور خوں بہا میں خدا نے بندوں کے لئے زندگی رکھی ہے کہ قتل وغارت گری بند ہو جائیگی لیکن قصاص لینے والا حاکم وقت ہی اگر قتل کا ارتکاب کرے تو پھر اس کا انجام کیا ہوگا اور

نتائج کی ذمہ داری کس پر ہوگی؟

آخرت:

امیر المومنین! امام عادل کو آخرت سے بے پرواہ نہ ہونا چاہئے، موت اور اس کے بعد آنے والے وقت کو یاد کیجئے، جب کہ ہم نشین نہ ہوں گے، وہاں کی ہر چیز بیگانی ہوگی اور اس کے بعد ''فزع اکبر'' کی ہولناکیاں سامنے آئیں گی۔

تخت سلطنت:

امیر المومنین! جس گھر میں آپ اس وقت قیام پذیر ہیں آپ کا گھر نہیں ہے، بلکہ آپ کے لئے اس کے علاوہ گھر (قبر) ہے جس میں آپ کا قیام طویل ہوگا، احباب نہ ہوں گے، آپ تنہا ہوں گے، اس دن کے لئے تیاری کیجئے جس کے متعلق خدا نے فرمایا ہے: ﴿ یوم یفر المرء من اخیه وامه و ابیه صاحبته وبنیه ﴾

امیر المومنین! یاد کرو: جب کہ جو کچھ قبروں میں ہے ظاہر کر دیا جائے گا، جو کچھ سینوں میں پوشیدہ ہے سامنے لایا جائے گا، اس وقت تمام راز ایک ایک کر کے آشکار ہو جائیں گے، اور یہ عالم ہوگا کہ:

﴿ مال هذا الكتاب لايغادر صغيرةً ولا كبيرةً الاّ احصاها ﴾ (الکہف ۴۹)

نامہ اعمال چھوٹے بڑے تمام گناہوں کو ایک ایک کر کے جمع کئے ہوگا، انکار کی کوئی گنجائش نہ ہوگی۔

امیر المومنین: موت سے پہلے امید واہل کے تمام علائق کے منقطع کر لینے کا موقع ہے

اس مہلت کو غنیمت سمجھئے۔

امن پروری:

امیر المومنین! خدا کے بندوں کے معاملات میں ظلم و جہالت کا فیصلہ نہ کیجئے، نہ انہیں ظالموں کی راہ پر لے چلئے، اور نہ کمزوروں پر متکبرین و جبارین کو مسلط کیجئے، کیونکہ ان کا یہ حال ہے کہ:

﴿ لا یرقبون فیکم الاً و لا ذمة ﴾ (التوبہ ۸۰) — وہ لوگ تمہاری رشتہ داری اور عہد و پیمان کا کوئی لحاظ نہ کریں گے۔

اگر خدانخواستہ آپ ایسا کردیں تو نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ کے اور ان کے دونوں کے گناہوں کا بوجھ آپ ہی کے سر ہوگا، آپ ایسے لوگوں کے دھوکے میں ہرگز نہ آیئے جو دنیا کی سرمستیوں میں غافل ہیں، یہ لوگ آپ کی اخروی زندگی کو ختم کر کے اپنی دنیاوی زندگی کو تعمیر کر رہے ہیں۔

ذاتی زندگی:

امیر المومنین! امام عادل کی ذاتی زندگی سراسر بے مایہ ہے، آپ اپنی قوت و طاقت کا اندازہ آج شان و شوکت سے نہ لگایئے بلکہ غور کیجئے کہ کل آپ کی طاقت کتنی ہوگی جب کہ آپ موت کے جال میں ہوں گے، ملائکہ انبیاء اور مرسلین گرداگرد جمع ہوں گے اور آپ خدائے قہار و جبار کے سامنے کھڑے ہوں گے:

﴿ وعنت الوجوہ للحی القیوم ﴾ (طٰہٰ ۱۱) — اور تمام چہرے خدائے حی و قیوم کے سامنے ذلیل ہوں گے۔

حقیقی اوصاف:

امیر المومنین! مجھے اعتراف ہے کہ وعظ و نصیحت میں میں ارباب دین و دانش کے مرتبے کو نہیں پہنچ سکتا مگر اس کے باوجود میں نے آپ کو نصیحت کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی اور کوشش کی ہے کہ دین مبین کی سچی روشنی میں امام عادل کے اوصاف و فرائض کو بیان کر دوں۔

آخری نصیحت:

آپ میرے خط کو اس دوست کا خط سمجھئے جو آپ کا معالج ہے، اور آپ ہی کی صحت کے لئے تلخ و ناپسندیدہ دوا اس کو استعمال کرتا ہے کیونکہ اسے یقین ہے کہ آپ کی عاقبت و عافیت کے لئے یہی نسخہ مفید ہے۔

والسلام علیک یا امیر المومنین ورحمۃ اللہ و برکاتہ

☆☆☆☆☆

پیری اور مرید

پیری مریدی کا ایک نظارہ:

محفل رقص وسرود برپا ہے، گیس کی ہانڈی اپنی تمام تاباں رنگینیوں سے مجلس کو بقعۂ عشرت بنارہی ہے گاؤں کے جاہل مسلمان بوڑھے، بچے، مرد، عورت، جمع ہیں ایک نمایاں جگہ پر نہایت قرینے سے دری قالین اور گاؤتکیہ لگا ہوا ہے اور ایک پیر صاحب ہاتھ میں سگریٹ سلگائے ہوئے گاؤتکیہ کے سہارے سگریٹ کی ہر کش پر ناچنے والی پری رو کی طرف غمازانہ نظر مار دیتے ہیں اور بدمستی میں آکر روپیہ اُٹھانے لگتے ہیں۔

یہ کوئی شاعرانہ ذہنی عیاشی نہیں ہے بلکہ چشم دید واقعہ ہے اور کہیں دور کا بھی نہیں اسی ملک کا جس کے گاؤں گاؤں میں جاہل پیروں، دنیادار فقیروں اور نفس پرست رہنماؤں کی پوجا ہو رہی ہے، اور ان کی دین سوز پھونک سے دم کی ہوئی چھری سال بھر حیوانات کے لئے برق دم بنی رہتی ہے، ان کے متعلق عام عقیدہ ہے کہ یہ شراب پیتے ہیں تو شربت ہو جاتا ہے وہ ظاہر میں کچھ کریں باطن میں اس کا مطلب دوسرا ہوتا ہے، یہ لوگ قیامت میں جنت کی رہبری کریں گے۔

دین کی تباہی کے ذمہ دار:

اللہ اکبر! الامان! الحفیظ! توبہ توبہ! سچ فرمایا ہے امت کے مجاہد اعظم ولی کامل اور عالم اسلام حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے: ''وما غیر الدین الا الملوک وعلماء سوء ورھبانھا '' دین اسلام کا ستیاناس کرنے والے تین مجرمین ہیں، ملوکیت پسند بادشاہ، بدعقیدہ وبدعمل عالم اور پیری فقیری کے نام پر دیہات دیہات گھومنے والے جوگی۔

☆☆☆☆☆

ہادی عالم کا ارشاد

سچ فرمایا ہے ہادی مطلق رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آخر زمانہ میں جاہل لوگ دین کے امام بن کر، پیشوا بن کر خود بھی گمراہ ہوں گے اور عوام کو بھی گمراہ کریں گے۔

ایسے گمراہ پیروں سے امت کو سخت ڈرایا گیا ہے احادیث کی کتابوں میں اس قسم کے مضامین بھرے پڑے ہیں۔

خود سمجھ سکتے ہو کہ یہ جاہل قسم کے لوگ دیہاتوں میں کیوں چکر لگاتے ہیں، مریدوں کی جیبوں پر کیوں نظر جمائے رہتے ہیں، مرغ اور پلاؤ کی مست ڈکار کے لئے کیوں سرگرداں پھرتے ہیں، اگر انہیں اصلاح خلق کا فکر پریشان کئے ہوئے ہے تو پہلے اپنے دل کو پاک کرلیں لالچ سے بدعملی سے بری خواہشات سے پھر دوسرے لوگ خود ہی ان کے پاس آئیں گے۔

ان ظالموں کو خدا سمجھے کہ انہوں نے طریقت اور شریعت کا فرق نکال کر عوام سے اپنی ناجائز خواہشوں کو پورا کر رہے ہیں یاد رکھو، جو نماز نہیں پڑھتا، روزے نہیں رکھتا، اسلام کے ظاہری تقاضوں کو پورا نہیں کرتا وہ گمراہ ہے مفسد ہے اور اسلام کے نزدیک مجرم ہے۔

پس جو شخص شریعت اور طریقت کے فرق سے اپنی تن پروری کا سامان کرے اسے اپنی بستیوں سے نکال دو، وہ غارت گر ایمان ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں گمراہی پھیلانے والا ہے۔

مسلمانوں کی تباہی میں بناوٹی پیروں کا حصہ:

تجربات بتا رہے ہیں کہ ان جاہل پیروں نے ہندوستان میں مسلمانوں کی اسلامی زندگی ختم کردی ہے، کبھی انہوں نے دین کی تعلیم نہ دی کبھی اپنے مریدوں کو نماز کی تاکید نہ کی، کبھی برائیوں سے روکنے کی کوشش نہ کی، کبھی اتباع سنت کی ہدایت نہ کی اور کبھی بھولے سے بھی مسلمانوں کو مشرکانہ افعال سے نہ روکا بلکہ بڑی چالاکی سے اپنی جہنم پاٹنے کے لئے اللہ ورسول اور صوفیائے عظام کی ذات کو بیچ میں لاتے رہے، اور اس طرح اپنی جیب بھر کر اسلام کو بدنام کرتے ہیں۔

آزاد ہندوستان میں اسلامی زندگی:

ہندوستان اب آزاد ہو چکا ہے، ہندو قوم اپنی فرسودہ روایات کے زندہ کرنے میں لگی ہے، ہر جماعت، ہر قوم، اور ہر طبقہ اپنے اپنے اصلی مقصد اور مقام کی طرف لوٹ رہا ہے اگر یہ لوگ آج بھی اپنی بے جا خواہشات پوری کرنے میں لگے رہے تو اسلام کی اصلی شاندار روایات کو کون زندہ کرے گا، دین اسلام کی ذمہ داری آزاد ہندوستان میں کون سنبھالے گا؟ اور دنیا میں آزاد ہونے کے بعد باعزت زندگی بسر کرنے کے لئے کون عمل کرے گا؟

پس اگر ہندوستان میں اسلام کے دامن میں پناہ لے کر زندہ رہنا ہے تو اپنے اعمال اور کردار میں اسلامی احکام کی پیروی اور پابندی کے لئے کشادگی اور جگہ پیدا کردو، اسلام کی سچی تعلیم قرآن وحدیث میں موجود ہے، اسے اپناؤ، جاہل پیروں مفلس ملاؤں اور حریص رہنماؤں کو الوداعی سلام کہہ کر انہیں رخصت کرو، ورنہ اسی ہندوستان میں دوسروں کے مقابلہ

میں اپنے خیال ویقین کے اعتبار سے، عمل وکردار کی حیثیت سے اور عزت وآبرو کے لحاظ سے ذلیل قوم بن کر رہ جاؤ گے، اور ....

اگر نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستاں والو!

تصویر کا دوسرا رخ:

اوپر جو کچھ عرض کیا گیا ہے، ان جاہل پیروں سے تعلق رکھتا ہے جن کی زندگیاں اسی پیشہ کی بدولت ہیں، لیکن یہ حقیقت بھی ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ کچھ صحیح الخیال اور متدین علماء ایسے ہیں جو صرف خدا کے لئے، دین کے لئے، انسانوں کی ہدایت کیلئے اور اپنے فریضہ کے ادائیگی کیلئے اصلاح وتبلیغ کے لئے پر خلوص کوشش کرتے ہیں، رشدوہدایت کیلئے مسلمانوں کی بستیوں میں جاتے ہیں اور اپنے مقدور بھر اس کی اصلاح کی سعی کرتے رہتے ہیں۔